جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانیٔ جامعہ مدنیہ

مئی
سنہ ۲۰۰۰ء

صفر المظفر
سنہ ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۸ | صفر المظفر ۱۴۲۱ھ - مئی ۲۰۰۰ء | شمارہ : ۵

مدیر اعلیٰ
سید محمود میاں
مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ
لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ----- سالانہ ۱۳۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات دبئی " ۵۰ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ------- " ۶ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ------- " ۱۶ ڈالر
برطانیہ ------- " ۲۰ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون 092-42-200677
فیکس نمبر 092-42-7726702

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ۔۔۔۔۔۔ ۳

درسِ حدیث ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ۔۔۔۔۔۔ ۱۳

حضرت اقدس مولانا حامد میاںؒ سے میری آخری ملاقات ۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب مرحوم ۔۔۔۔۔۔ ۱۸

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ (نظم) ۔ محمد رفیق ارشد صاحب مرحوم ۔۔۔۔۔۔ ۲۸

جنّت میں لے جانے والے کام ۔۔۔۔۔۔ حکیم محمود احمد ظفر صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۳۰

ماہ صفر ۔۔۔۔۔۔ محمد عدنان زکریا ۔۔۔۔۔۔ ۳۸

لباس اور ازدواجی رشتہ ۔۔۔۔۔۔ مولانا محمد حسین صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۴۳

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله حضرت مولانا نعیم الدّین صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۴۵

دین کے قواعد ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۵۰

حاصل مطالعہ ۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ۔۔۔۔۔۔ ۵۷

اخبار و احوال جامعہ (جدید) ۔۔۔۔۔۔ ۶۲

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

(قسط : ۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سید محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

دُنیا میں انسانی حقوق کی سب سے بڑی دعویدار سلطنت امریکہ کے اندر انسانی حقوق کی پامالی سے متعلق گزشتہ ماہ تین اپریل کے قومی جریدہ روزنامہ جنگ میں ایک خبر نیویارک ٹائمز کے حوالہ سے شائع کی گئی جس سے انسانی حقوق کی حفاظت کے دعوے کی قلعی بہت حد تک کھل جاتی ہے۔

اخبار لکھتا ہے۔

"دُنیا کے مختلف ممالک سے ہر سال کم از کم ۵۰ ہزار خواتین اور بچوں کو امریکہ لاکر اُن سے زبردستی جسم فروشی مزدوری یا مشقت کرائی جاتی ہے یہ انکشاف نیویارک ٹائمز میں امریکہ کے خفیہ ادارے سی آئی اے کے حوالے سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ اخبار کے مطابق گزشتہ نومبر میں مکمل ہونے والی سی آئی اے کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مذکورہ بے بس خواتین اور بچے زیادہ تر لاطینی امریکہ اور مشرقی یورپ سے لائے جاتے ہیں اور امریکہ میں ان کی حیثیت غلاموں سے کم نہیں ہوتی۔ رپورٹ کے مطابق امریکہ کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو ایسے کیسوں کی تحقیقات اور ان میں ملوّث افراد کے خلاف مقدمات قائم کرنے میں سخت مشکلات در پیش ہیں کیونکہ امریکہ میں ایسا کوئی قانون نہیں کہ

ایسے جرم میں ملوّث شخص پر براہِ راست ہاتھ ڈالا جاسکے اور اگر کسی کے خلاف مقدمہ چلتا بھی ہے تو غیر ملکیوں کو اُن کی مرضی کے خلاف رکھنے پر انہیں انتہائی معمولی جرمانہ ہوتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ دو سال کے دوران ایک لاکھ سے زائد خواتین اور بچّوں کو غلاموں کی سی حیثیت سے امریکہ لایا گیا اور ان سے متعلق صرف دو سو پچاس کیسوں کی سماعت ہوئی اخبار کے مطابق ۹۰ صفحات پر مشتمل اس سرکاری رپورٹ میں گھمبیر مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے"۔

یہ خبر بہت سے لوگوں کو بلکہ سب ہی کو ایک نئی بات معلوم ہوتی ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ غلامی کی تاریخ عیسائیت کی تاریخ سے بھی قدیم ہے اور ازمنہ قدیم کی تمام ترقی یافتہ قوموں میں پائی جاتی تھی لیکن اس کا جو چسکا عیسائیوں کو لگا شاید ہی کسی اور کو لگا ہو یہی وجہ ہے کہ بظاہر غلامی کے خلاف طبلِ جنگ بجانے والے عیسائی درپردہ غلامی کے تسلسل کو کسی نہ کسی صورت میں برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ آیئے سب سے پہلے مختلف مذاہب کا غلامی سے تعلّق اور غلاموں کے حقوق انصاف اور ناانصافیوں سے متعلّق ایک مختصر تحریر پر نظر ڈالیں۔ پھر آخر میں غلامی سے متعلّق اسلامی تعلیم و ہدایات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ہم فاضلِ دیو بند حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کی کتاب "اسلام میں غلامی کی حقیقت" سے کچھ واقعات نقل کرتے ہیں۔ ایک جگہ مصنّف لکھتے ہیں۔

ہربرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب "اصول معاشیات"

(THE PRINCIPLES OF SOCIOLOGY)

میں ایک مقام پر بڑی صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ "غلامی کے بغیر سیاست کا مرحلہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا"۔

سُمنر SUMNER کا خیال ہے کہ غلامی جہاں کہیں بھی رہی ہے اس نے سوسائٹی کے تمام گوشوں کو متأثر کیا ہے اس کو قبیلوں اور جماعتوں میں اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے ان تمام شعبوں میں ایک طرح کا رنگ و روغن پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر اسی نامور مصنّف نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ غلامی ایک بڑی معلمہ

ہے جو بھرتی کے سامنے کام کرنا سکھاتی ہے اور وہ ایک ایسی جماعت ہے جس کے باعث لوگوں کو صنعتی نظام کے چلانے میں مدد ملتی ہے۔

ایک اور انگریز مصنّف کا مقولہ ہے " فرصت ابتدائی جماعتوں کی اوّلین ضرورت ہے اور اس کی تکمیل صرف غلاموں کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے"۔

ڈیلے اور وارڈ (DEALEY AND WARD)

دونوں کا خیال یہ تھا کہ اصل مشکل یہ ہے کہ لوگوں سے کس طرح کام کرائیں اور سوائے غلامی کے کوئی دوسری چیز اس مقصد کے لیے مفید نہیں ہوسکتی تھی ص: ۱۶-۱۷

یونانی فلاسفہ قدیم کی رائے تھی کہ تمدنی اعتبار سے غلاموں کا وجود ناگزیر ہے تاکہ اہلِ دماغ جسمانی محنت سے محفوظ رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی کام کرسکیں، اور فکر و نظر کی یکسوئی میں جسمانی سخت کام مخل نہ ہوں۔ ص: ۱۷-۱۸

کیا عجیب و غریب سبق ہے یونانی فلاسفہ کا حالانکہ ہر طبقہ فطری طور پر مختلف دماغی اور جسمانی صلاحیتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور یہ صلاحیتوں کا فرق ہی غلامی اور آقائی کا رشتہ قائم کیے بغیر خود بخود باعزّت انداز میں ان کے درمیان تقسیمِ کار کر دیتا ہے ایک ہی گھر میں ایک ہی باپ سے کئی بیٹے ہوتے ہیں کسی میں جسمانی صلاحیت ہوتی ہے کسی میں ذہنی کسی میں کم اور کسی میں زیادہ کیا یونانی فلاسفہ کے اس سبق کے مطابق آپس میں ان بھائیوں کو ایک دوسرے کا آقا و غلام تصوّر کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں مگر فلاسفہ یونانی اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ غلامی کی زنجیر کی چھنکار ہر گھر سے سنائی دینی چاہیے۔

غلامی اور عیسائیت

" اسلام میں غلامی کی حقیقت " کے مصنّف تحریر فرماتے ہیں اور مذہبی اعتبار سے دیکھیے تو ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیت اور یہودیت اور ہندو مت ان تینوں کی مذہبی کتابوں میں غلامی کے رواج کی مذمّت کہیں نہیں کی گئی جس کی توجیہ آجکل کے عیسائی عجیب و غریب طریقہ سے کرتے ہیں۔

مسٹر ایل۔ ڈی۔ آگیٹ (L.D. AGATE) لکھتے ہیں " حضرت مسیح کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمّت کہیں بھی نہیں ہے یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید کے لیے انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کرسکتا اس کے برخلاف غلامی کا حامی گروہ اپنی تائید

میں انجیل کے اصل متن (SCRIPTURE) کے الفاظ سے استدلال کر سکتا ہے صفحہ ۱۹۱

کچھ سطروں بعد مصنّف کتاب پھر تحریر فرماتے ہیں۔

"عیسائی ارباب قلم نے جب دیکھا کہ غلامی کی مذمّت تمام انجیل میں کہیں نہیں ہے اور عیسائی ممالک میں غلام بنانے اور غلاموں کی خرید و فروخت کرنے کا رواج بہت افراط و بہتات کے ساتھ پایا جاتا ہے تو اَب اُنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات میں تاویلات و توجیہات پیدا کرنی شروع کیں اور اس سلسلہ میں خُوب خُوب موشگافیاں کیں۔"

چنانچہ یہی مصنّف لکھتا ہے۔

"اب سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے غلامی ایسی وحشیانہ رسم کی مذمّت کیوں نہیں کی؟ تو جواب یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں۔

(۱) ہمارے آقا (حضرت مسیح) نے اپنی تعلیمات ایسے انداز میں پیش کی ہیں جو ہر زمانہ کے سیاسی حالات کے ماتحت قابلِ عمل ہو سکیں۔

(۲) یک لخت غلامی کے رواج کا خاتمہ کر دینا اُس کے لیے کوشش کرنا رومانی سوسائٹی کے نظامِ معاشرت کو صدمۂ عظیم پہنچاتا۔

(۳) گرجا کا ابتدائی عہد اس اُمّید میں تھا کہ حضرت عیسیٰ پھر دوبارہ جلد ہی تشریف لائیں گے اس بناء پر غلامی ایسی مادی چیز پر کوئی توجّہ نہیں کی گئی اور یہ خیال قائم کر لیا گیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی اس دنیوی زندگی میں اپنی حالت پر قانع رہنا چاہیے۔ خواہ وہ کسی کا حاکم ہو کر زندگی بسر کر رہا ہو یا کسی کا محکوم و مغلوب ہو کر۔"

اسی مضمون میں اس کی ایک اور توجیہ کی گئی ہے اور وہ غالباً سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے فاضل مقالہ نویس کہتا ہے:

"غالباً سینٹ پال کو اس کا خطرہ تھا کہ اگر عیسائیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ تمام عیسائی خواہ وہ دنیوی پوزیشن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کتنی ہی مختلف ہوں روحانی برتری اور معنوی بزرگی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہیں تو کہیں

اس احساس کے باعث پُرانا نظامِ معاشرت درہم برہم نہ ہو جائے"۔

ہم نہیں کہتے کہ حضرتِ عیسٰی کی تعلیمات کی یہ توجیہات و تاویلات غلط ہیں لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت بھی یہ تاویلات ان مسیحی اربابِ قلم سے فراموش نہ ہو جاتیں۔

غلاموں کا مسیحی تخیل

آقا اور غلام کا رشتہ کیا ہوتا ہے؟ اسکندریہ کے سینٹ کائرل (CYRiL) نے ان دونوں کو صانع اور مصنوع سے تشبیہ دی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات غلام کو کس مستحقرانہ نظر سے دیکھتے تھے[1]

انجیل میں غلاموں کو آزاد کرانے کا حکم کہیں نہیں ہے اور نہ اُن کے ساتھ حُسنِ معاشرت کرنے پر زور دیا گیا ہے اس کے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور اُن کے حکم سے سرِ مو منحرف نہ ہوں۔

حضرت عیسٰی کے ایک حواری بولیس نے اپنے ایک خط میں جو اُس نے افسین کے نام لکھا ہے غلاموں کا ذکر کیا ہے اور اُن کو تاکید کی ہے کہ تم اپنے آقاؤں کی اطاعت ایسی ہی کرو جیسی کہ حضرت عیسٰی کی کرتے ہو۔

اور جو خط تیموشاوس کو لکھا ہے اس میں بھی یہی تحریر کیا ہے اور اخیر میں یہ تصریح کر دی ہے کہ "جو کچھ لکھ رہا ہوں وہ حضرت مسیح کی بعینہٖ تعلیم ہے اور جو شخص اس سے انکار کرتا ہے جھوٹا ہے"۔

"حضرت عیسٰی کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کو وصیّت کی ہے کہ انہیں چاہیے ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں"۔

بولیس نے جو خط اہل افسس کے نام لکھا تھا قدیس باسیلیوس نے اپنی کتاب القواعد الادبیہ میں اس کے بعض حصوں کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ خط اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غلام پر اپنے آقاؤں کی اطاعت واجب ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے"۔

مسیحی عُلماء غلامی کو انسانی بیکسی و بے بسی کا کوئی المناک حادثہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُن کا خیال تھا کہ انسانی طبیعت کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ اُن میں بعض افراد احرار ہوں اور بعض غلام جیسا کہ قدیس توماس

---

[1] مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا۔ مضمون غلامی

نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اور پھر اپنے دعوے کو مذہبی و وضعی قوانین سے ثابت کیا ہے۔

ان لوگوں کو غلاموں پر رحم کیوں آتا۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے غلاموں کو قتل نہیں کیا یہی ہمارا سب سے بڑا احسان اور کرم ہے جیسا کہ ایک مشہور پادری بوسونٹ فرنساوی نے لکھا ہے[1]

علامہ فرید وجدی نے لاروس کی انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام عیسائی علماء اس کا اقرار کرتے ہیں کہ غلام بنانے کا رواج اُن کے ہاں مشروع تھا اور مذہبی احکام میں داخل تھا۔

مسٹر اے۔ این گلبرٹسن تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم کو یہ یاد دلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ابھی تھوڑے ہی زمانہ تک غلامی نہ صرف یہ کہ ترقی یافتہ قوموں کی حکومتوں میں منظّم طریقہ پر قائم تھی وہ قومیں جو مذہباً عیسائی تھیں۔ بلکہ دینیات کے بڑے بڑے عالم اُس کو حکم خداوندی سمجھتے تھے اور ایک مصلحانہ قانون یقین کرتے تھے۔"[2]

پھر اس "مصلحانہ قانون" میں اس قدر شدّت اور افراط ہوئی کہ افریقہ کی بعض قوموں کا بالکل خاتمہ ہی ہوگیا اور یورپ والوں نے اُن کو پکڑ پکڑ کے غلام بنا لیا۔ ایک عیسائی مبلّغ لکھتا ہے:

"یورپ والوں نے افریقہ کے سیاہ فام انسانوں پر بڑے بڑے مظالم کیے ہیں اور اتنے سخت کہ اَب اُن کا کفارہ بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکثر قومیں بالکل ختم ہوگئی ہیں۔ مثلاً مونغوی اور فالوہ اور نکومی۔ سفید فام نخاس آتے تھے اور اُنھیں اور اُن کے بچّوں کو گرفتار کر کے لے جاتے تھے"[3]

غلاموں کی تجارت

بازاروں میں غلاموں کی کُھلّم کھلّا تجارت ہوتی تھی اور بازاری چیزوں کی طرح اُن کا لین دین ہوتا تھا۔[4] مختلف شہروں میں اُن کے مستقل بازار قائم تھے اور اُن کے لیے پوپ سلیسٹائن

---

[1] ان معلومات کے لیے دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی ج: ۷۔ مضمون "الرق"

[2] مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا۔

[3] حاضر العالم الاسلامی مصنّفہ (LOTHROP STODDERAD) بحوالہ الاسلام والحضارۃ العربیہ ج ۱، ص۹۶

[4] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج: ۱ ص۹۴

پنجم (۲۹۴ء) نے خاص خاص قواعد بنائے تھے جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) یہودی صرف وہی غلام رکھ سکتے ہیں جن کو گھروں میں پالا گیا ہو۔

(۲) اگر وہ غلام عیسائی ہوں تو آزاد ہو سکتے ہیں۔

(۳) اگر کسی پادری نے کسی باندی سے شادی کر لی ہے تو اُس کے تمام بچّے گرجا کے غلام سمجھے جائیں گے۔ اُن کو اپنے باپ (پادری صاحب) کے گناہ کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

مسٹر اے۔ این گلبرٹسن نے بالکل صاف لفظوں میں کہا ہے کہ مسیحی پیشوایانِ قوم غلاموں سے تو یہ کہتے تھے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کرو، لیکن آقاؤں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے غلاموں کو آزاد کرو۔[1]

غلاموں کے ساتھ سلوک

غلاموں کے ساتھ عیسائی اقوام کا معاملہ اچھّا نہیں تھا، زمین میں کاشت کراتے تھے، سخت سے سخت کام لیتے تھے اور چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر بُری طرح زدوکوب کرتے اور سنگین سزائیں دیتے تھے۔ ویسٹر مارک کہتا ہے: غلامی کا رواج کم از کم برطانوی مستعمرات میں اور اُن مقامات پر جہاں غلامی کا رواج ہے۔ ظلم وستم کے اعتبار سے اُس غلامی سے بدرجہا زیادہ ظالمانہ اور جابرانہ ہے جو کافروں کے قدیم وجدید ممالک میں پایا جاتا ہے۔

یہی مصنّف دوسرے مقام پر یُوں رقم طراز ہے۔

"تیرھویں صدی میں آقا کو اپنے غلام پر ہر طرح کا حق تھا کہ چاہے تو اُس کو زندہ رہنے دے یا ہلاک کر دے۔ یہ لوگ غلام کو لکھنے پڑھنے سے منع کرتے تھے اور جو اس کے خلاف کرتا تھا، اس کو سزا دی جاتی تھی۔ غرض یہ تھی کہ غلام اپنے حقوق سے بے خبر رہیں۔"[2]

غلامی اور یہودیت

یہودی شریعت کی رو سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنانے کے لیے ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا تھا۔

(۱) کوئی شخص غربت کے باعث قرض ادا نہیں کر سکتا اس صُورت میں ایک امیر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مدیون غریب کی طرف سے اُس کا قرض ادا کر دے اور اُس کو اپنی غلامی میں لے لے۔

(۲) کسی نے چوری کی ہے اور اب وہ چوری کا مال اُس کے مالک کو واپس نہیں کر سکتا تو اس شخص کو

---

[1] مذہب واخلاق کی انسائیکلو پیڈیا [2] الاسلام والحضارۃ العربیہ ج:۱ ص:۹۴

یہ حق تھا کہ اپنے تئیں کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ اُس کی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اُس شخص کو اپنی غلامی میں قبول کر لے۔

(۳) والدین کسی بناء پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں [۱] یہودی غلاموں کی تجارت بھی کرتے تھے۔ لوئس مقدس (LOUIS THE PIOUS) کے عہد میں عیسائی غلاموں کی ایک بڑی تعداد اسپین اور شمالی افریقہ میں لائی گئی تھی یہ لوگ مسٹر جے ایبلسن کے بقول دلالی کرتے تھے۔ مُسلمان غلام عیسائیوں کو اور عیسائی غلام مُسلمانوں کو پہنچاتے تھے

اسپین کی خوشحالی کے زمانہ میں (جس کی مُدّت دسویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی کے ختم تک ہے) یہاں کے بہت سے متمول یہودی خاندان غلاموں کے فراہم کرنے سے بہت کچھ مال و دولت جمع کرتے تھے [۲] لیکن اس میں شُبہہ نہیں کہ دوسری اقوام کی بہ نسبت یہودیوں کے ہاں غلاموں کے حقوق زیادہ تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے ہاں غلامی کی مُدّت سات برس تھی، اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتا تھا۔ بعض بعض عبرانی تو اپنی باندیوں کو بیوی بنا لیتے تھے اور اُن کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر رکھتے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض غلاموں کا نکاح اُن کے آقاؤں کی بیٹیوں تک سے بھی ہو جاتا تھا [۳]

یہودیوں کے مذہب میں غلاموں کے لیے جو حقوق اور رعائتیں تھیں وہ اسلام سے بہت ملتی جلتی ہیں، مثلاً تلمود اور دوسری مذہبی و اخلاقی کتابوں میں یہ لکھا ہُوا ہے۔

(۱) اگر کوئی شخص اپنے غیر یہودی غلام کے ساتھ بُرا معاملہ کرے گا تو اُس کو مجبوراً غلام آزاد کرنا ہو گا۔ اگر آقا غلام کو آزاد کرنے کا منشاء زبانی طور پر ظاہر کرتا ہے تب بھی وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور وہ شخص اپنے الفاظ واپس نہ لے سکے گا۔

(۲) اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قانون یہ تھا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی کسی آزاد عورت سے کر دی یا اُس کے سر پر کوئی تعویذ رکھ دیا یا مذہبی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تین آیتیں ایک مجمع کے سامنے پڑھنے کا حکم دیا یا اُس کو کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم دیا جو آزاد لوگوں کے لیے ہی مخصوص

---

[۱] سفر اللاویین (۲۵: ۳۹) و سفر الخروج (۲۱: ۷و ۸) بحوالہ نداء للجنس اللطیف۔ مصنفہ علامہ رشید رضا مصری مرحوم

[۲] مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا۔ مضمون از جے۔ ایبلسن [۳] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج: ۷۔

ہیں تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اُس کا آقا مجبور ہو گا کہ اُس کو پروانۂ آزادی لکھ کر اور اپنے دستخط ثبت کر کے دے۔[1]

اس میں شُبہہ نہیں کہ اس قسم کے قوانین و ضوابط سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہودی غلاموں کے ساتھ کس قدر نرم اور قابلِ تحمّل معاملہ کرتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ غلاموں کا مرتبہ معاشرتی اعتبار سے کتنا پست اور ذلیل سمجھتے تھے۔ گویا اُن کے نزدیک غلام بحیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ کسی شریف عورت سے نکاح کرے اور نہ اس لائق تھا کہ کسی مجمع کے سامنے مذہبی کتاب کی تین آئتیں پڑھے اور نہ اس کا حق دار تھا کہ اُس کے سر پہ ازراہِ شفقت و محبّت کوئی تعویذ آقا کے ہاتھ سے رکھا جائے۔

غلامی اور ہندو مذہب سنسکرت کی تمام مذہبی قوانین کی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے، اور اس کی اصل حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ منو کی کتاب میں غلام بنانے کے سات اسباب مذکور ہیں۔

(۱) جنگ میں گرفتار ہونا۔ (۲) نان نفقہ کے لیے خود برضا و رغبت اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دے دینا (۳) کسی باندی کے بطن سے پیدا ہونا (۴) خریدنا (۵) بطور ہبہ یا تحفہ کے حاصل کرنا (۶) اپنے بزرگوں سے وراثۃً پانا (۷) سزا کے ذریعہ غلامی کی تحقیر کرنا۔

نارولے غلاموں کی پندرہ قسمیں شمار کی ہیں جن میں سے سات یہی ہیں اور آٹھ ان کے علاوہ ہیں۔ ان میں قمار بازی میں ہار کر کسی کا غلام بن جانا اور قرض ادا نہ کر سکنے کی بناء پر کسی کا غلام ہو جانا خصوصیّت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

شودروں کی نسبت ان کا خیال یہ تھا کہ یہ لوگ برہما کے قدموں سے پیدا ہوئے ہیں اس بناء پر غلامی اُن کے بدن کا جزو بن گئی ہے۔ اگر ان کا مالک انہیں آزاد کر دے، یہ لوگ پھر بھی غلامی سے نہیں نکل سکتے۔

ان کا اعتقاد تھا کہ شودر برہمنوں کی خدمت کے سوا کسی اور مقصد کے لیے پیدا ہی نہیں کیے گئے۔ ہندو مذہب میں انسانی طبقات کی چار قسمیں کی گئی ہیں، سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں کا اور سب سے ادنیٰ طبقہ شودروں کا سمجھا جاتا تھا۔

ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی رو سے شودروں کے لیے جو تحقیری دفعات تھیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ برہمن کے لیے جائز ہے کہ وہ شودر کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اُس نے اُس کو خریدا ہو یا نہ خریدا ہو۔

۲۔ شودر کا آقا اگر اُس کو آزاد کر دے تب بھی اُس کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ جو خدمت چاہے لے، کیونکہ

---

[1] مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا۔ مضمون یہودیوں کے ہاں غلامی

غلامی اُس کے وجود کا جزءِ لاینفک ہے جو آزاد کر دیے جانے پر بھی اُس سے منفک نہیں ہو سکتی۔

۳۔ کسی شودر کے ہاتھ سے اگر کسی برہمن کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اُس کے لیے بجز قتل کے کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔

۴۔ کسی شودر کی زبان سے کسی برہمن کے لیے گالی کا کوئی کلمہ نکل جائے تو اُس کی سزا یہ ہے کہ اُس کی زبان پکڑ کر گدی سے باہر کھینچ لی جائے۔

۵۔ کوئی شودر کسی برہمن یا اُس کے خاندان کو حقارت آمیز کلام سے خطاب کرے تو اُس کی سزا یہ ہے کہ ایک خنجر جس کا طول دس اُنگل ہو سخت گرم کرانے کے بعد اُس کے مُنہ میں رکھا جائے۔

۶۔ جو چیزیں برہمنوں کے واجبات سے متعلق ہیں اُن میں سے کسی ایک کی نسبت اگر کسی شودر کی زبان سے کوئی کلمۂ نصیحت ادا ہو تو بادشاہ پر فرض ہے کہ کھولتا ہوا تیل اُس کے مُنہ اور کانوں میں ڈلوائے۔

۷۔ برہمن اگر کسی شودر کی چوری کرے تو اُس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دلا دیا جائے، لیکن یہی جرم شودر سے کسی برہمن کے لیے صادر ہوتا تو اُس کی سزا یہ تھی کہ شودر کو جلا دیا جاتا تھا۔

۸۔ کسی حاکم کو مارنے کی جسارت کسی شودر سے سرزد ہو جائے تو چاہیے کہ شودر کو زندہ ہی بھون لیا جائے لیکن کوئی برہمن اگر ایسی حرکت کر بیٹھے تو اُس کو صرف تاوانِ خیانت دینا پڑے گا۔

پھر غلاموں میں کام کے اعتبار سے ایک تفریق یہ تھی کہ بعض غلام تو وہ تھے جو غلیظ اور گندہ کاموں کے لیے وقف ہوتے تھے۔ مثلاً بول و براز کو صاف کرنا۔ گائے بیل کے لیے کٹی کرنا۔ اپنے آقا کو بحالت برہنگی کپڑے پہنانا اور نہلانا۔ گھروں میں جھاڑو دینا وغیرہ وغیرہ۔

غلاموں کو آزاد کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ آقا غلام کے کاندھوں سے ایک پانی بھرا برتن اُتارتا اور اُس سے پانی کے چند قطرے لے کر غلام پر چھڑک دیتا تھا اور پھر تین مرتبہ اُس کو آزاد کرنے کے کلمات کہتا تھا۔

قدیم ہندو قانون کے مطابق والدین کو اس بات کا پورا حق تھا کہ وہ اپنے بچوں کو فروخت کر دیں یا بطور بخشش کسی کی غلامی میں دے دیں[1]

(جاری ہے)

---

[1] دائرۃ المعارف فرید وجدی اور مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا

مولای صلّ وسلّم دائماً ابدا — درس — علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّھم

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زہدِ کامل، صحابہ کی فتوحات، عدل و انصاف کی فراہمی، غیروں کا اسلام میں داخل ہونا

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین: مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

کیسٹ نمبر ۲۷، سائیڈ بی ۸۳-۱۱-۱

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّآلہ واصحابہ اجمعین

امابعد! حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے انھوں نے بتلایا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا گیا مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ آپ کے بعد ہم کسے امیر بنائیں ارشاد فرمایا کہ اِنْ تُؤَمِّرُوْا اَبَابَكْرٍ اگر ابوبکر کو امیر بناتے ہو تَجِدُوْهُ اَمِيْنًا زَاهِدًا فِى الدُّنْيَا رَاغِبًا فِى الْاٰخِرَةِ انھیں ایسا پاؤ گے کہ نہایت امانت دار اور زاہد ہوں گے۔

زاہد اور راہب میں فرق

زہد کہتے ہیں دُنیا سے دل کی بے رغبتی کو، دل کی بے تعلقی کو دُنیا سے اُن کے قلب کو کوئی لگاؤ نہیں ہوگا۔ ایک راہب ہوتے ہیں کہ جو ترکِ دُنیا کر کے بیٹھ جاتے ہیں تو وہ تارک الدنیا کہلاتے ہیں یہ منع ہے اور ایک مطلب یہ ہے کہ آدمی دُنیا کے سارے کام کرے اور اس کے پاس چاہے دولت بھی ہو، مگر اُسے دُنیا سے اور دولت سے محبّت نہ ہو، رغبت نہ ہو وہ زاہد ہے۔

نبیوں میں بادشاہ بھی تھے مگر وہ زاہد بھی تھے

تو انبیاء کرام میں بادشاہ بھی گزرے ہیں حضرت داؤد علیہ السّلام حضرت سلیمان علیہ السّلام، اور حکام میں گذرے ہیں حضرت یُوسف علیہ السّلام یہ سب حضرات باوجود اس کے کہ وزیر تھے یا

حاکم تھے حاکم بھی بہت بڑے، حضرت سلیمان علیہ السّلام کی پُوری دُنیا پر حکومت تھی اس کے باوجود اُن کو زاہد کہا گیا، اُن کو دُنیا سے بالکل محبّت نہیں تھی۔ زہد کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی کو اس دُنیا کے مال اور اسباب سے محبّت نہ ہو، تعلق نہ ہو بلکہ اُس کے دل کا تعلّق اللہ کی ذات سے ہو یہ زاہد ہے، چاہے کتنی ہی بڑی حکومت کا مالک ہوجائے اور اگر دل میں دُنیا کی محبّت ہے چاہے وہ الگ کُٹیا ڈال کر دُنیا سے بالکل الگ ہوجائے تو وہ تارک الدنیا نہیں ہے وہ دُنیا دار ہے زاہد نہیں ہے

اسلام نے زہد کی حقیقت واضح کی ہے دیگر مذاہب والے اس کو نہیں سمجھے

اسلام نے زُہد کی حقیقت بتلائی ہے، دوسری قوموں میں خصوصًا عیسائیوں میں یا دوسرے لوگوں میں حقیقت پر توجہ نہیں ہوئی اور اُنھوں نے زیادہ تر یہی کیا کہ تارک الدنیا ہوگئے۔ عیسائیوں نے بھی یہ کیا ہے۔ ہندوؤں میں بھی یہ ہے، پنڈت اور سادھو ہوتے ہیں، وہ جنگلوں میں رہتے ہیں۔ اسلام نے یہ چیز منع کی ہے۔ اسلام نے بتا دیا کہ تمہارے اس عمل کو کر لینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ فرق جو پڑتا ہے وہ تو قلب سے پڑتا ہے وہ صحیح ہوجائے اور اُس کا تعلّق نہ رہے دُنیا سے، چاہے دُنیا داری میں اُسے جھونک دیا جائے۔ چاہے اُسے ساری حکومت دے دی جائے۔ سلطنت دے دی جائے پھر بھی وہ ایسے ہی رہے گا کہ قلبی تعلّق نہیں ہوگا اُس سے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی دنیا سے بے رغبتی کا قصہ

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کے شروع ہی میں آتا ہے کہ اپنے دَورِ حکومت میں لکھا کہ دیکھو جو حدیثیں نظر آئیں اُن کو جمع کرلو اور لکھ لو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں علم اور عُلماء ختم نہ ہوجائیں ایک دفعہ اُنھوں نے لکھا کہ دین کی سُنتیں ہیں فرائض ہیں چھوٹے اور بڑے احکام جو مکمّل کرلے اُس نے ایمان کو مکمل کر لیا اور جس نے ان میں کمی چھوڑی اُس کے ایمان میں کمی رہی اور میں بتاؤں گا تمہیں فَاِنْ اَعِشْ فَسَاُبَیِّنُھَا لَکَ اگر میں زندہ رہا تو وہ میں بتلاتا رہوں گا اور اگر مر گیا زندہ نہ رہا تو فَمَا اَنَا عَلٰی صُحْبَتِکُمْ بِحَرِیْصٍ تو تمہارے ساتھ رہنے کا مجھے لالچ بھی نہیں ہے میرے ذہن میں یہ بھی نہیں ہے کہ میری زندگی لمبی ہو حکومت پر میں رہوں یہ نہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی اسلامی حکومت دُنیا کی واحد سپر پاور تھی

تو اُن کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ

دُنیا میں سب سے بڑی تھی۔ دوسرا بلاک جو تھا عیسائیوں کا وہ اُن کے مقابلے کا نہیں تھا اُن سے کم تر تھا۔

دو تین سو سال پہلے تک برطانیہ اور یورپ کی بدحالی

جو یورپ میں رہ گیا غیر ترقی یافتہ علاقہ بالکل جنگلی لوگ وہاں کے، برطانیہ تو بالکل ہی پیچھے تھا دو سو سال ساڑھے تین سو سال پہلے تک تو اس کا حال یہ تھا کہ وہاں غاروں اور گھاٹوں میں رہتے تھے۔ دروازے نہیں ہوتے تھے، دروازے کے بجائے چمڑے کے پردے لٹکے ہوتے تھے اور ایک ہی جگہ ہوتی ہے۔ وہیں اپنے جانوروں کو باندھتے تھے۔ وہیں خود رہتے تھے ہر چیز وہیں ہوتی تھی اور ننگے بھی رہتے تھے اب وہی ننگے رہنا اُن کا فیشن بن گیا یہ اُن کے جنگلی پنے کی چیز تھی پھر وہ فیشن بن گئی تو اُن کے یہاں علاج بھی کوئی نہیں تھا۔ جھاڑ پھونک (اور جڑی بوٹیوں) کے سوا یہ جو بالکل شمار میں ہی نہیں تھا۔ باقی یہ روم جو تھا اٹلی کا حصّہ یہ قابلِ شمار تھا تو اس وقت کوئی سلطنت مُسلمانوں کے مقابلہ کی تھی ہی نہیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز جو دُنیا میں سب سے بڑی سلطنت کے حکمرانِ اعلیٰ تھے وہ فرماتے ہیں فَاِنْ اَمُتْ فَمَا اَنَا عَلٰی صُحْبَتِکُمْ بحریص اگر مَیں مَر جاؤں تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی کوئی طمع نہیں کوئی خواہش نہیں ان کے دَور کو خلفائے راشدین کے دَور جیسا کہا گیا۔ اُنھوں نے بہت انصاف کیا، انصاف کی وجہ سے اسلام بہت پھیلا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جب شام کا علاقہ فتح کر رہے تھے تو اُنھوں نے ٹیکس لگا دیا جزیہ لگا دیا۔

جزیہ کا مطلب

توجزیہ کا مطلب یہ ہے کہ تم خراج (ٹیکس) دو گے تو ہم تمہاری جان اور تمہارے مال کی حفاظت کریں گے، جان اور مال کی حفاظت کی ذمّہ داری حکومت کی ہے اگر قانون بدل جائے اور اسلامی حکومت آجائے تو حکومت اپنے پاس سے خُون بہا دے گی اگر قاتل کا پتہ نہ چلے۔ اسی موجودہ قانون میں ایسا نہیں ہے اور شاید نہ ہی آپ نے سُنا ہو کہیں کہ دیا گیا ہے جب سے انگریزی قانون رائج ہُوا۔

شام کی فتح کے دوران حضرت ابوعبیدہ رضؓ کا انصاف اور اس کا اثر

تو حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے جزیہ لے لیا اور (مزید فتوحات کے لیے) آگے بڑھ گئے۔ جہاں جہاں آبادیاں آتی گئیں، وہ آبادی سے صلح کرتے رہے دوسری طرف،

وہ عیسائی جمع ہو گئے مقابلے کے لیے۔ مقابلے کئی ہوئے ہیں بڑی سخت لڑائیاں ہوئی ہیں۔ عیسائیوں نے تیاری کی اور پھر حملہ کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ کو ضرورت پڑی اس چیز کی کہ یہ پیچھے ہٹ کر محفوظ جگہ جائیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تو ان عیسائیوں نے کہا کہ آپ نے ہم سے جزیہ لیا ہے اور اب آپ واپس جانے لگے وہ جزیہ کی رقم تو ہمیں واپس کر دیں، ہم سے تو آپ نے ٹیکس وصول کیا ہوا ہے وہ واپس کر دیں (انہوں نے واپس کر دیا) وہ کہنے لگے کہ اگر یہ (عیسائی) لوگ جو پہلے ہمارے حکام تھے۔ اُن کے پاس ہمارا اتنا تو کیا اتنا (تھوڑا مال) بھی گیا ہوتا تو بھی وہ واپس نہ کرتے اور ان (مسلمانوں) کی تعریف کی اور اُن سے مدد کا پھر وعدہ کیا کہ آئندہ آپ آئیں تو پھر مدد کریں گے تو ہر قل کے لشکر والے جب آتے ہوں گے اُدھر سے تو دو دن چار دن دس دن جتنے دن بھی۔ لگے ہوں گے ان کے تسلط میں اس دوران دونوں کے رویوں کا فرق نظر آیا تو پھر وہ قائل ہوئے اور اسلام میں داخل ہوئے تو اسلام کا پھیلنا بھی انصاف اور سچائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ سچائی کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

مغرب کا دوغلہ پن

آج جو یورپ ہو کر آتا ہے وہ تعریفیں کرتا ہے کہ وہاں لین دین میں سچے ہیں ہمارے یہاں تو انہیں ہر چیز (خرابی) گوارا ہے اپنے یہاں گوارا نہیں وہ ایک چھوٹا سا قصہ واٹر گیٹ اسکینڈل (امریکی صدر نکسن) کا ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو نکلنا پڑ گیا اور اب اس نے گرینیڈا پر حملہ کیا ہے تو اب اس کے بارے میں سوالات ہو رہے ہیں کہ یہ ہے وہ ہے ممکن ہے اسے بھی جانا پڑ جائے۔ اپنے اُوپر جو حکمران اُن کا آئے اُس کے بارے میں وہ چاہتے ہیں کہ وہ نیچے کے (ماسوا رفی الشی کے) گھٹیا عیبوں سے صاف ہو اور دوسری قوموں کے ساتھ جو کرتے ہیں وہ اپنے یہاں گوارا نہیں۔

حضرت ابوبکر رضؓ کا زہد آخری وقت کی گفتگو

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاکم ہیں اور سلطنت ایسی بڑھتی چلی جا رہی ہے مگر اُن کے ذہن میں کوئی چیز نہیں آئی انہیں تو دُنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا جب وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ مجھے کفن کاہے کا دو گے کس چیز کا کفن ہوگا۔ عرض کیا کہ نیا کپڑا لے لیں گے کہنے لگے نہیں نیا زندہ لوگوں کے لیے ہے اور مجھے تو یہ دھو دینا کپڑے۔ اپنے لیے پرانے کپڑے (پسند فرمائے) سب حساب کیا بیت المال کا اور اس سے کوئی چیز لیتے ہی نہیں تھے جتنی ضرورت تھی مقرر کر رکھا تھا اتنا ہی لیتے تھے بیت المال سے

صحابہ کا اصرار وظیفہ مقرر کرنے کی وجہ

اور یہ بھی اس لیے کہ انھوں نے (صحابہ کرامؓ نے) کہا کہ اب مناسب نہیں کہ آپ کاروبار کریں تو لوگوں نے دیکھا تو منع کیا جب اُنھوں نے کاروبار چھوڑا تو پھر وظیفہ مقرر کر لیا بیت المال سے اپنے لیے مگر اتنا کہ جو کم سے کم خرچ ہو۔ کم سے کم میں جو گزارا ہو جائے۔

بیت المال کے خزانہ کی مثال

اور اُس کا حکم (درجہ) بھی اُنھوں نے یہ رکھا کہ جیسے یہ یتیم کا مال ہو' اگر کسی آدمی کے پاس یتیم کا مال ہو تو پھر وہ یہ کرے گا کہ اُس مال میں تجارت کرے گا اور اپنے گزارہ کے لیے جتنا دیانتداری سے ضرورت ہے اتنا رکھے گا اُس یتیم کے چاہے دس مربعے ہوں وہ یہ نہیں کرے گا کہ پانچ کی آمدنی کھا جائے یا نقصان میں دکھاتا رہے اور کھاتا رہے اور اگر اِس آدمی کو کہیں اور سے پیسے مل گئے اور یہ بھی کسی طرح مالدار ہو گیا تو پھر اُس کا مال (واپس) ادا کر دینا چاہیے تو مالِ یتیم کا یہ حال ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تعریف فرمائی کہ اگر تم نے اُنھیں امیر بنایا تو امین پاؤ گے زَاهِدًا فِی الدُّنْیَا رَاغِبًا فِی الْآخِرَۃِ دُنیا سے اُن کی بے رغبتی ہو گی۔

لطیف نکتہ زاہد تمام اور ناتمام

اور یہ بات بھی ناتمام ہے کہ دُنیا سے کسی کو بے رغبتی ہو جائے یہ بے معنٰی سی بات ہے اتنے آدمی خودکشی کرتے ہیں یورپ میں یہاں اور وہاں، آتا ہے اخبارات میں کہ یہ رجحان بڑھتا جا رہا ہے جو خودکشی کر رہے ہیں وہ زاہد فی الدنیا تو ہو گئے جو دُنیا کو چھوڑ ہی چکا ہے۔ دنیا کی کسی بھی چیز کو لالچ کی نگاہ سے نہیں دیکھ رہا تو وہ ہے زاہد فی الدنیا فقط وہ نامکمل بات ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل بات فرمائی زَاهِدًا فِی الدُّنْیَا رَاغِبًا فِی الْآخِرَۃِ یہ بات بالکل مکمل ہے کہ دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت، آخرت سے محبت' جو کام کرتا ہے آخرت کی تیاری کے لیے کرتا ہے۔ وہی مطلوب ہے، آگے دوسرے حضرات کا ذکر ہے۔ حضرت عمرؓ کا ذکر ہے اُس کے بعد پھر حضرت علیؓ کا ذکر ہے وہ بھی ان شاء اللہ آپ کو سُنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔ (آمین)

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز سے میری آخری ملاقات

زیرِ نظر مضمون پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم صاحب مرحوم سابق پروفیسر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی یادداشت پر مشتمل ہے جس میں خطا و نسیان تقدیم و تاخیر کا امکان ہوتا ہے لہٰذا شرعی مسائل میں فقہاء کی حتمی تصریحات اور مفتٰی بہ قول ہی معتبر و مقبول ہوگا۔ (ادارہ)

کئی روز سے اخبارات میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحؒ کے خویش مولانا رشید الدّین حمیدی مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد (بھارت) کی لاہور میں مصروفیات کے بارے میں خبریں شائع ہو رہی تھیں جس زمانے (۱۹۴۸ء-۱۹۸۵ء) میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحؒ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل تھے ان دنوں مولانا رشید الدّین صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا حمید الدّین مرحوم اس ادارے میں حدیث کے اُستاد تھے۔ مولانا رشید الدّین بھی ان دنوں اپنے والدین کے ساتھ کلکتہ میں مقیم تھے۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی رحؒ اور اُن کے اہلِ خانہ کے ساتھ اُن کے تعلقات نے ہمیں ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔ اس لیے مولانا رشید الدّین جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو میں اُن کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔

مؤرخہ ۲۶ر فروری ۱۹۸۸ء کو نمازِ جمعہ سے فارغ ہو کر میں اُن کی تلاش میں جامعہ مدنیہ گیا تو معلوم ہُوا کہ موصوف گلشنِ راوی میں مسجد "الزبیر" میں خطبہ جمعہ دینے تشریف لے گئے تھے اور بعد نماز کسی عقیدت مند کے ہاں اُن کی دعوت تھی۔ لہٰذا ابھی تک واپس نہیں لوٹے، میں اُن کے انتظار میں حضرت مولانا سیّد حامد میاں قدس سرّہٗ کی نشست گاہ میں جا بیٹھا۔ میاں صاحب قبلہ ابھی تک تشریف نہیں لائے تھے اور اُن کے چند معتقدین انتظار میں بیٹھے تھے۔ مجھے وہاں بیٹھے بمشکل پانچ سات منٹ گزرے ہوں گے کہ میاں صاحب تشریف لے آئے، اُنہوں نے حسبِ عادت مُسکراتے ہُوئے میری خیریت دریافت فرمائی اور معمول کے مطابق مجھے اپنی بائیں جانب اپنے ایک خاص

معتقد گل صاحب کے پہلو میں جگہ دی۔

میاں صاحب مرحوم اس وقت جراب کے اُوپر گرم کپڑے کا بنا ہُوا موزہ پہنے ہُوئے تھے جس میں پاؤں کے اُوپر کا حصّہ کسی قدر کھلا تھا۔ راقم آثم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے عرض کیا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ صرف ایسے موزے پر مسح جائز ہے جو چمڑے یا کینوس کا بنا ہُوا ہو، اس کے اندر ہَوا یا پانی داخل نہ ہوسکے۔ علاوہ ازیں وہ ٹخنے سے اُونچا ہو۔ اس پر قبلہ میاں صاحب نے فرمایا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کر دی کہ موزہ تین قسم کا ہوسکتا ہے۔ اوّلاً چمڑے یا کینوس کا جس کا ذکر راقم آثم نے کیا ہے۔ ثانیاً اگر دو جرابوں کو باہم سی لیا جائے تو اُس پر بھی موزہ کا اطلاق ہوگا۔ ثالثاً اگر دبیز کپڑے سے، جسے ٹھونک ٹھونک کر بُنا گیا ہو، جراب تیار کی جائے تو وہ بھی موزے کے حکم میں آئے گی، لہٰذا اُنہوں نے جراب کے اُوپر جو بوٹ نما موزہ پہنا ہُوا ہے جو بظاہر ٹخنوں سے نیچا ہے، اس پر بھی موزے کا اطلاق ہوتا ہے۔

بات آگے بڑھاتے ہوئے میاں صاحب قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک بار لوگوں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ، کو وضو کرتے وقت پاؤں پر مسح کرتے ہُوئے دیکھا محدثین کرام نے اس کی یہ توضیح کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو پر وضو کیا تھا۔ اس لیے دوبارہ پاؤں دھونے ضروری نہ سمجھے۔ بعض حضرات کا یہ بھی خیال ہے کہ موصوف کو وضو کی حاجت تھی، لیکن اُن کا وضو حدث سے نہ ٹوٹا تھا۔ اس لیے اُنھوں نے اس صُورت میں اپنے اجتہاد سے پاؤں دھونے ضروری نہ سمجھے۔

بات جاری رکھتے ہُوئے قبلہ میاں صاحب نے فرمایا کہ فقہ کے ایسے بہت سے مسائل ہیں جو اُنھوں نے علامّہ طحاویؒ کی "مشکل الآثار" کی مدد سے حل کیے ہیں۔ علامّہ مرحوم ایک بالغ نظر عالم تھے اور اُنھوں نے فقہ حنفی کی بڑی خدمت کی ہے، مشکل مسائل کے حل کے لیے طحاویؒ کے علاوہ ابن حزم اندلسیؒ، ابنِ ہمامؒ، بیہقیؒ، ترمذی اور سیوطیؒ کی تصانیف سے بھی اُنھوں نے استفادہ کیا ہے۔

اسی ضمن میں راقم آثم نے عرض کیا کہ امام بیہقیؒ اور امام ترمذیؒ تو خالصتاً محدّث تھے اس لیے انہیں جو روایت ملی وہ چھان پھٹک کے بعد من وعن ہم تک پہنچا دی۔ اب رہے ابنِ ہمامؒ، تو وہ بہت بڑے فقیہہ تھے۔ فقۂ حنفی پر اُن کی گرفت بہت مضبوط تھی اور "اہلِ حدیث" اختلافی مسائل میں اُن کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ سیوطیؒ محدّث اور مفسّر ہونے کے علاوہ مورخ

بھی ہیں۔ ان کی تاریخ الخلفاء بڑے کام کی چیز ہے۔ اب رہے ابنِ حزم ظاہری تو وہ اندلس کے بلاشبہ بہت بڑے عالم ہیں اور اس میں ذرّہ بھر شک نہیں کہ انہوں نے امام داؤد ظاہری کے مذہب کی اشاعت بڑے شدّو مد کے ساتھ کی ہے۔ لیکن وہ ہیں بڑے جری اور بے باک۔ وہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو "کذّاب" لکھنے سے باز نہیں آتے، شاید اسی بناء پر وہ اہلِ حدیث کے بڑے مقبول ہیں۔ اس پر قبلہ میاں صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یہ اہلِ حدیث کا خاصہ ہے کہ وہ ہر اس عالم کے جس میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رح جیسے شافعی المذہب عالم بھی شامل ہیں بڑے مداح ہیں جس نے ائمہ احناف کے خلاف کچھ لکھا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رح، امام شافعی رح کے مقلد ہیں اور اہلِ حدیث اپنے مسلک کے مطابق تقلید کو شرک سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ فتویٰ دیتے وقت ابنِ حجر رح کی بلوغ المرام سے رجوع کرتے ہیں۔ راقم آثم نے عرض کیا کہ اہلِ حدیث کے ہاں جو بلوغ المرام پڑھ لے وہ فتویٰ دینے لگتا ہے۔ مجھے ایک نوجوان اہلِ حدیث عطا الرحمٰن شیخوپوری نے بتایا کہ اُن کی جماعت کا ایک فرد جو اپنے نام سے پہلے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ "علّامہ" لکھتا ہے، وہ بلوغ المرام کی عبارت اعراب کے بغیر صحیح نہیں پڑھ سکتا، لیکن وہ علّامہ بھی ہے اور مفتی بھی۔ اس پر میاں صاحب مرحوم نے فرمایا کہ غیر مقلدین نے مشہور کر رکھا ہے کہ حضرت امامِ اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ غضب خُدا کا جس شخص نے اپنی زندگی میں پچاسی ہزار فتوے جاری کیے ہوں وہ حدیث سے بے خبر ہو، اُن کے بارے میں ایسا گمان رکھنا بھی گناہ ہے۔

قبلہ میاں صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بات دراصل یوں ہے کہ جلال الدین سیوطی رح نے ایک جگہ لکھا ہے کہ امام صاحب نے ایسی انیّس حدیثوں کی روایت کی ہے جو اُنہوں نے براہِ راست صحابہ کرام رض سے سُنی تھیں۔ اس سے غیر مقلدین اس بدگمانی میں مبتلا ہو گئے کہ امامِ اعظم رح کا مبلغ علم صرف سترہ حدیثیں تھیں۔ حالانکہ سیوطی رح نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود یہ بات فخریہ انداز میں لکھی ہے کہ امام صاحب نے انیّس حدیثیں براہِ راست صحابہ کرام رض سے سُنی ہیں۔ آپ اس بات کو نظر انداز نہ کیجیے کہ مدینہ طیبہ کے بعد امام اعظم رح کا وطن مالوف کوفہ روایتِ حدیث کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ امام صاحب سے پہلے حضرت ابن مسعود رض، حضرت علی رض، حضرت علقمہ رح، حضرت ابراہیم نخعی رح اور یزید بن الاسود رح جیسے اکابرین، کوفہ کی فضا کو قال الرسول ﷺ

سے معمور فرما چکے تھے۔ امام صاحب نے زمانے میں کوفہ میں حدیث کا چرچا عام ہو چکا تھا۔ خود اُن کے ہم عصروں میں امام سفیان ثوریؒ جنہیں لوگ امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں، کوفہ میں رہتے تھے، بلکہ کوفہ میں حدیث کی بہترین سند وہی سمجھی جاتی ہے جسے سفیان ثوریؒ یزید بن الاسودؒ سے، اور وہ نخعیؒ سے اور وہ علقمہؒ سے اور وہ ابن مسعودؓ سے روایت کریں۔ دُور کیوں جائیں امام صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں عبداللہ بن المبارکؒ جیسے جلیل القدر محدّث موجود تھے۔ بھلا ایسے ماحول میں امام صاحب علمِ حدیث سے کیونکر بے بہرہ رہ سکتے تھے؟ مَیں نے عرض کیا کہ امام صاحبؒ ۸۰ھ میں پیدا ہُوئے تھے اور آخری صحابی ۱۰۹ھ یا ۱۱۰ھ تک بقیدِ حیات تھے۔ آنحضرتؐ کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ نے بڑی طویل عمر پائی اور موصوف بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے۔ اُن کے تلامذہ عراق کے طول و عرض میں پھیلے ہُوئے تھے۔ بصرے سے کوفہ بھلا ہے ہی کتنی دُور! اس پر میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ بعض روایتوں میں امام اعظمؒ کا سالِ ولادت ۸۰ھ سے پہلے بتایا گیا ہے اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو پھر اُنہیں مزید متعدّد صحابہ کی زیارت کا موقع ملا ہوگا۔

راقم آثم نے عرض کیا کہ مَیں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ائمہ اہلِ سُنت سے بُغض رکھتا ہو وہ دُنیا سے اپنا ایمان سلامت لے جائے... میاں صاحب مرحوم نے اس پر صاد فرماتے ہُوئے ارشاد کیا کہ ایک بار مدرسہ تقویۃ الایمان امرتسر میں مولانا داوٗد غزنوی کے والد مولانا عبدالجبار غزنوی نے درس کے دوران حضرت امام اعظمؒ کی بڑی تعریف کی۔ اس پہ ایک طالب علم نے اعتراض کے لہجے میں کہا کہ وہ ایک ایسے شخص کی تعریف میں رطب اللسان ہیں جسے صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس پر مولانا عبدالجبار بہت ناراض ہُوئے اور اُنہوں نے درس میں شریک طلبہ سے کہا کہ اس گستاخ کو مجلس سے نکال دو۔ اس کے بعد اُنہوں نے خُوب جی بھر کر امامِ اعظمؒ کی تعریف کی۔ جس گستاخ طالب علم کو مولانا کے درس سے اُٹھایا گیا تھا، وہ کہیں پیش امام بن گیا۔ اُس نے کئی مساجد میں امامت کرائی، لیکن ہر مسجد سے جوتے مار کر نکالا گیا اور بالآخر وہ مرزائی ہو کر مرا۔

اس پر راقم آثم نے عرض کیا کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ غیر مقلد کثرت سے مرزا غلام احمد قادیانی کے دام میں پھنسے ہیں۔ ربوہ میں میرے بہت سے شاگرد رہتے ہیں اور ان میں سے ہر

ایک یہی کہتا ہے کہ اس کا دادا غیر مقلد تھا اور پھر وہ "احمدی" ہوگیا تھا۔ مَیں نے ایک بار غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا محمدؒ حنیف ندوی سے اس بارے میں استفسار کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ بات دراصل یُوں ہے کہ اہلِ حدیث کو مباحثے کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ مرزائی مبلغوں سے بحث میں اُلجھ کر اُن کے جال میں پھنس جاتے تھے میاں صاحب قبلہ نے فرمایا یہ جواب تشفی بخش نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ "اہلِ حدیث" چونکہ تقلید کی بندشوں سے آزاد ہوتے ہیں اس لیے دوسروں کی نسبت وہ جلد مرزائیوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ جو بھیڑ ریوڑ سے الگ ہو جائے اُسے پھر بھیڑیا دبوچ لے جاتا ہے۔

"اہلِ حدیث" کی بات چل نکلی تھی، اُسے آگے بڑھاتے ہُوئے میاں صاحب نے فرمایا کہ رفع الیدین والی حدیث حضرت ابن الحویرثؓ سے مروی ہے، وہ قبیلے سے آکر صرف بیس دن مدینہ طیّبہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صُحبت میں رہے اور پھر اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُنہیں یہ نصیحت فرمائی تھی۔ "صلوا کما رأیتمونی اُصلی" "اہلِ حدیث" صرف اسی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اب ابن الحویرثؓ کے مقابلے میں ابنِ مسعودؓ، ابنِ عمرؓ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسے "السابقون الاوّلون" اکابرین بھی ہیں جن کی زندگیاں مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت میں گزری ہیں۔ یہ حضرات پَل بھر کے لیے آپ سے جُدا نہیں ہوتے تھے، اُن سے رفع الیدین والی حدیث مروی نہیں ہے۔

مَیں نے عرض کیا کہ میرے گھر کے راستے میں اسلامیہ پارک میں لبِ سڑک "اہلِ حدیث" کی ایک مسجد ہے جو رحمانیہ مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ پہلے "اہلِ حدیث" کی یہی ایک مسجد اس علاقے میں ہُوا کرتی تھی۔ چند سال پہلے "اہلِ حدیث" میں جھگڑا ہو گیا اور اُنہوں نے دو مسجدیں اور کھڑی کر لی ہیں۔ پہلے رحمانیہ مسجد کے اندر تین چار بورڈ آویزاں تھے جن پر فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین اور آٹھ تراویح کے بارے میں اپنے عقائد لکھے ہُوئے تھے۔ اَب چند روز سے اُنہوں نے ایسے ہی بورڈ مسجد کے بیرونی جنگلے پر لگا دیے ہیں، تاکہ ہر آنے جانے والے کی اُن پر نظر پڑے۔ اس پر قبلہ میاں صاحب نے فرمایا کہ جہاں تک فاتحہ خلف الامام کا تعلّق ہے اس کے بارے میں ہمارے ائمۂ کرام اس آیتِ مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب قرآنِ حکیم پڑھا جائے تو اُسے سُنو۔ سورۂ فاتحہ قرآن کا حصّہ ہے اور سبع من المثانی سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ سورت اپنی اہمیّت کے پیشِ نظر دوبار نازل ہُوئی۔ اس لیے جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کی رُو سے اُس کا سُننا فرض ہُوا اور سُنیے اس سے آگے وَاَنْصِتُوْا بھی ہے یعنی سُننے کے علاوہ اس وقت خاموش رہنا بھی فرض ہے۔ اسی لیے ہمارے ائمہ کرام نے فاتحہ خلف الامام پڑھنے سے روکا ہے، کیونکہ اس سے وَاَنْصِتُوْا کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اتنا بیان کرکے میاں صاحب مرحوم مُسکرائے اور فرمایا وَاَنْصِتُوْا کے بعد لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ بھی ہے جس کا یہ صاف مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں پر رحم فرمائے گا جو قرآن کی تلاوت سُنتے وقت خاموش رہتے ہیں۔

قبلہ میاں صاحب نے فرمایا کہ ایک بار اُن کے مدرسے میں ایک "اہلِ حدیث" طالب علم نے شرارتًا داخلہ لے لیا۔ جب نماز کا وقت آتا تو وہ نماز ادا کرنے مولانا داؤد غزنوی کے مدرسے واقع شیش محل روڈ چلا جاتا۔ اس طرح آمدورفت میں اس کا بڑا وقت ضائع ہوتا۔ جب اس سے اس بارے میں استفسار کیا گیا تو اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کی نماز حنفی امام کی اقتدا میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ رفع الیدین نہیں کرتا۔ میاں صاحب مرحوم نے اسے عدم رفع الیدین کے بارے میں حدیث دکھائی تو اُس نے کہا کہ وہ عربی نہیں جانتا۔ اس لیے کسی اہلِ حدیث عالم سے پُوچھ کر جواب دے گا اُس نے مولانا محمدؐ حسین روپڑی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو اُنہوں نے کہا کہ اس وقت وہ حدیث اُنہیں یاد نہیں، وہ اپنے برادر بزرگ مولانا عبداللہ روپڑی سے پُوچھ کر جواب دیں گے اُنھوں نے جب مولانا عبداللہ روپڑی سے اس حدیث کی صحّت یا عدمِ صحّت کے بارے میں سوال کیا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ایسی حدیث ہے تو سہی، لیکن وہ دوسری حدیث کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد بھی وہ طالب علم مدرسے آتا رہا، لیکن پھر خود ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ اسے شرارتًا جامعہ مدنیہ بھیجا گیا تھا۔

راقم آثم نے عرض کیا کہ ہمارے علاقے کا ایک بھنگی چند سال ہُوئے خاکروبوں میں بھرتی ہو کر سعودی عرب چلا گیا۔ وہاں قیام کے دوران میں وہ مشرف بہ اسلام ہُوا اور اس نے مسلک "اہلِ حدیث"

اختیار کر لیا۔ اس نے حج بھی کیا اور اب وہ واپس آچکا ہے۔ مَیں بھی اُس سے مل چکا ہوں۔ وہ اکثر لاؤڈ اسپیکر پر یہ اعلان کیا کرتا ہے کہ "ابوحنیفہ کو میرے سامنے لاؤ۔ مَیں اُسے نماز ادا کرنے کا طریقہ بتاؤں۔ اس کے بعد وہ یہ آیت پڑھا کرتا ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

قبلہ میاں صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ایک بھنگی سے یہی اُمیّد رکھنی چاہیے۔ راقم آثم نے عرض کیا کہ مولوی احسان الٰہی ظہیر کے ساتھ حادثۂ بم میں جاں بحق ہونے والے ایک مولوی صاحب کا نام اشتہار میں یوں لکھا جاتا تھا: شیرِ ربّانی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی خطیبِ اعظم کامونکی مَیں نے ایک شخص سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگا کہ اُن کا پُورا نام لینے سے پہلے تو مسافر کامونکی سے گزر جاتا ہے۔ یہ خطیبِ اعظم کامونکی بھی ـــ "حنیفاں کے ابّا" ـــ کو اپنی تقریروں میں کوسا کرتے تھے اور اُنھیں دین کے مسائل سمجھانے کی آرزو دل ہی میں لے کر دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

قبلہ میاں صاحب نے فرمایا کہ دیکھیے "اہلِ حدیث" میں ثنائی روپڑی، غزنوی اور سلفی گروپ موجود ہیں۔ اُن میں ایسے متشدد لوگ بھی موجود ہیں جو دوسرے گروپ کے عالم کے پیچھے نماز ادا کرنی جائز نہیں سمجھتے خصوصاً سلفی گروپ کے لوگ، اگر "اہلِ حدیث" کا محض احادیث پر عمل ہوتا اور وہ قیاس اور تاویل سے کام نہ لیتے، تو پھر اختلاف کے کیا معنی؟ اس اختلاف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث کی تاویل کرتے ہیں یا پھر قیاس سے کام لیتے ہیں، ورنہ اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا راقم آثم نے عرض کیا کہ بظاہر اہلِ حدیث عدمِ تقلید کے قائل ہیں، لیکن وہ بھی "بڑے مولوی صاحب" کے فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ مَیں نے خود ایک عالم نما اہلِ حدیث سے یہ سُنا ہے کہ بڑے مولوی صاحب یعنی ان کے سُسر کا فلاں مسئلے میں یہ فتویٰ ہے۔ ظاہر ہے کہ فتویٰ اسی مسئلے میں صادر کیا جاتا ہے جس کا حل صراحتاً قرآن اور حدیث میں نہ ہو اور اس کا حل قیاس و اجتہاد کے ذریعے تلاش کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ بڑے مولوی صاحب بھی قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہوں گے اور اگر امامِ اعظمؒ اجتہاد اور قیاس سے کام لیں تو "بڑے مولوی صاحب" کی نظروں میں معیوب ٹھہریں۔ اور اُن کی تقلید کرنے والا مشرک گردانا جائے گا۔

راقم آثم کو سیاق و سباق تو یاد نہیں رہا، میاں صاحب نے دورانِ گفتگو ارشاد فرمایا کہ جب نماز

ختم کرتے وقت ہم سلام پھیرتے ہیں تو السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ ہمارے دائیں اور بائیں کراماً کاتبین ہوتے ہیں۔ السّلام علیکم کا اطلاق اُن پر ہوتا ہے اور رحمۃ اللہ کا دائیں اور بائیں بیٹھنے والے نمازیوں پر۔ جب ہم کسی فرشتے کا ذکر کرتے ہیں تو اُن کا نام لینے کے بعد علیہ السّلام کہتے ہیں جیسے جبرئیل علیہ السّلام اسرافیل علیہ السّلام جب کسی بزرگ کا نام لیتے ہیں تو رحمۃ اللہ علیہ یا علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ علماء کرام نے اس کی یُوں تصریح کی ہے کہ رحم کا مستحق وہ ہوتا ہے جو گناہ پر قادر ہو، فرشتے اور پیغمبر چونکہ معصوم ہوتے ہیں، اس لیے ان کے لیے، ہم رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے علیہ السّلام لکھتے اور بولتے ہیں۔

باتوں باتوں میں ابن جریر طبری کا ذکر آگیا، تو میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ لوگوں نے یونہی مشہور کر دیا ہے کہ وہ شیعہ تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ منفسّر بھی ہے اور مجتہد بھی۔ وہ صاحبِ مذہب تھا ـــــ اس کی تاریخ سے محمود احمد عبّاسی اور ابوالاعلیٰ مودودی نے سیاق و سباق کو نظرانداز کرتے ہُوئے اپنے مطلب کے حوالے نکال لیے، جس سے لوگ طبری سے بدظن ہوگئے اور اُسے شیعہ شنیعہ سمجھنے لگے۔

قبلہ میاں صاحب نے فرمایا کہ علماء کرام نے یزید بن معاویہؓ کی تکفیر سانحہ کربلا کی وجہ سے نہیں بلکہ واقعۂ حرّہ کی وجہ سے کی ہے جس میں مدینہ طیّبہ کی بے حرمتی ہُوئی تھی۔ اس نے تین روز تک مدینہ طیّبہ میں لوٹ مار اور سفک الدم کو مباح رکھّا۔ راقم آثم نے عرض کیا کہ مطالعۂ تاریخ کے دوران میری نظر سے گزرا کہ ان تین ایّام میں مسجدِ نبوی میں حضرت سعید بن المسیبؒ کے علاوہ اور کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو روضۂ مُبارک سے اذان کی آواز بلند ہوتی اور حضرت سعید بن المسیبؒ نماز ادا کر لیتے۔ مَیں نے میاں صاحب مرحوم سے استفسار کیا کہ کسی مجموعۂ حدیث میں یہ واقعہ آپ کی نظروں سے گزرا ہے؟ اس پر اُنھوں نے فرمایا کہ مجموعۂ حدیث میں تو یہ واقعہ مرقوم نہیں ہے، البتہ ریاض النضرۃ (اب مجھے صحیح نام یاد نہیں رہا۔ اغلباً یہی نام تھا) میں موجود ہے۔

یزید بن معاویہؓ کا ذکر چلا تو راقم آثم نے عرض کیا کہ اہلِ تصوّف کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ مولانا شاہ محمّد جعفر پھلواری میرے پڑوس میں رہتے تھے اور مَیں ہفتے میں دو تین بار ضرور اِن سے

ملتا تھا۔ وہ ایسے بے دین یا ملحد نہ تھے، جیسا لوگ اُن کے بارے میں سوچتے ہیں۔ مَیں نمازِ مغرب اُن کی اقتدا میں ادا کرتا تھا، وہ عصر تا مغرب ہمارے درمیان بیٹھ کر وِرد کیا کرتے تھے اور اس دوران میں سوالوں کے جواب بھی دیا کرتے تھے۔ موصوف کہا کرتے تھے کہ جس صوفی سے آپ ملیں وہ یہی کہے گا کہ وہ جس مسندِ فقر پر بیٹھا ہے وہ حضرت علی رضؓ کی مسند ہے، کیونکہ تصوّف کے بیشتر سلاسل ان ہی پر منتہی ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں اکثر سجادہ نشین شیعہ مذہب اختیار کر چکے ہیں یا تفضیلی ہو گئے ہیں۔ وہ زندگی بھر حضرت معاویہ رضؓ کو محض اس لیے بُرا سمجھتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا، لیکن جب وہ خود قریب المرگ ہوتے ہیں تو اپنے بیٹے کو اپنی مسند پر بٹھا دیتے ہیں، قبلہ میاں صاحب میری بات سُن کر مُسکرائے مَیں نے اُس سے فائدہ اُٹھا کر عرض کیا کہ فخر الاماثل حضرت حکیم الاسلام قاری محمدؐ طیّب مرحوم کو ہی دیکھ لیجیے، اُنھوں نے "شہید کربلا اور یزید" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں حضرت امام حسین رضؓ کے فعل کو سراہتے ہُوئے یزید کی نامزدگی کے خلاف لکھا ہے، لیکن خود اپنے فرزندِ ارجمند مولانا محمد سالم کو اپنا جانشین نامزد کرنا چاہتے تھے اور یہی بات ان کے اور مجلسِ شوریٰ کے درمیان اختلاف کا سبب بنی۔ میاں صاحب میری بات سُن کر مُسکرانے لگے۔

باتوں باتوں میں میاں صاحب قبلہ کے شیخِ طریقت حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحؒ کا ذکر چل پڑا۔ میاں صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحؒ سالہا سال تک مدینہ طیّبہ میں مقیم رہے۔ اس دوران میں اُن پر بڑے سخت فاقے آتے رہے، لیکن انھوں نے کبھی اس کا شکوہ اللہ ربّ العالمین سے نہیں کیا اور نہ ہی روضۂ اطہر پر جا کر اس کی شکایت کی۔ اس عالم میں بھی حضرت مدنی رحؒ کامل اطمینان کے ساتھ حدیث کا درس دیتے رہے۔ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ مدینہ منوّرہ میں ایک شخص رہتا تھا جو حضرت مدنی رحؒ سے بیعت تھا۔ اسے مسئلہ حیات النبیؐ اور حضرت مدنی رحؒ کے سیّد ہونے کے بارے میں اشکال تھا۔ ایک روز وہ شخص حضرت مدنی رحؒ کے ساتھ رات کے آخری حصے میں مسجدِ نبوی میں موجود تھا۔ تہجد کے نوافل سے فارغ ہو کر حضرت مدنی رحؒ نے مواجہہ شریف کے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا تو جواب میں روضہ شریف سے یہ آواز آئی "وعلیکم السلام یا ابنی" جب اس شخص نے یہ آواز سُنی تو اُس کے دونوں اشکال دُور ہو گئے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہمارے حضرت کی عمر کتنی

ہُوئی؟ میاں صاحب نے فرمایا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی؟ مَیں نے عرض کیا، نہیں، حضرت مدنی رح کی۔ اس پر اُنھوں نے فرمایا ۸۷ سال۔

مَیں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ مَیں نے عرض کیا کہ میرا شاگرد سلیم مجھے ساتھ لے کر آیا ہے، اُس نے مجھے گھر پہنچا کر اپنے گھر نیشنل ٹاؤن جانا ہے۔ عصر کی اذان ہونے والی ہے، اگر مزید دو تین منٹ رُک گیا تو اذان ہو جائے گی اور پھر نماز ادا کیے بغیر یہاں سے جانا شرعًا جائز نہ ہوگا۔ مَیں نے یہ بھی عرض کیا کہ گزشتہ دو سال سے سلیم مجھے میرے گھر سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے سنت نگر لے جاتا ہے اور پھر مجھے گھر پہنچا کر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہ پُورے ساڑھے بارہ بجے موٹر سائیکل لے کر میرے مکان پر پہنچ جاتا ہے نہ ہی اسے گھنٹی بجانے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی مجھے اس کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ یہ ٹھیک ساڑھے بارہ بجے پہنچ جاتا ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ ان کا فرزند محمود میاں بھی وقت کا ایسا ہی پابند ہے۔

مَیں حضرت میاں صاحب سے اجازت لے کر اُٹھنے لگا تو موصوف بھی اُٹھنے لگے۔ مَیں نے اُن کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیں اور مجھے گناہگار نہ کریں۔ اس پر بھی حضرت مُسکراتے ہُوئے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کوئی بات نہیں۔ آپ بعد میں استغفار پڑھ لیجیے گا۔ مَیں مُسکراتا ہُوا اُن کے کمرے سے باہر نکل آیا، کیا معلوم تھا کہ یہ بحرِ علم چھ روز بعد خشک ہو جائے گا۔ اس ملاقات کے چھ روز بعد مورخہ ۳ مارچ بروز جمعرات میاں صاحب جنّت کو سدھارے۔ جمعہ کی صُبح دس بجے اُن کی میّت کو ہم اپنے کندھوں پر اُٹھا کر یونیورسٹی گراؤنڈ تک لائے جہاں شیخ الطریقت حضرت مولانا خان محمدؒ صاحب، سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ نمازِ جمعہ کے بعد مَیں اُن کی قبر منوّر پر فاتحہ خوانی کے لیے گیا۔ گزشتہ جمعہ کو عین اسی وقت میں اُن کی خدمت میں بیٹھا علم کے موتی رول رہا تھا اور آج زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا۔

مقدور ہو تو خاک سے پُوچھوں کہ اے لئیم　　تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

مُرسلہ

ابو عمّار رشید احمد لدھیانوی صاحب

سیکرٹری جنرل جمعیۃ عُلماء اسلام پنجاب

نذرِ عقیدت حافظ محمد رفیق ارشد

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر حافظ محمد رفیق ارشد کے اشعار مَیں نے اپنے زمانہ طالب علمی غالباً ۱۹۶۰ء میں کچی پنسل سے اپنی ڈائری میں لکھے تھے ـــــ میں ان دنوں جامعہ خیر المدارس میں مُبتدی درجہ میں پڑھ رہا تھا۔ مَیں نے آپ سے ذکر بھی کیا بڑی مشکل سے سمجھ سمجھ کر دوبارہ لکھے ہیں۔ انوارِ مدینہ کے لیے بھیج رہا ہوں تاکہ اس کی اشاعت ہو جائے۔ میری طرح حضرت شیخ الاسلام سے محبت و عقیدت رکھنے والے محظوظ ہوں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات پر ایک نظم

ابھی دے کے آئے ہیں درسِ شریعت   بسا کہ دلوں میں محمد ﷺ کی عظمت
تھکن جسمِ پاکیزہ پر چھا گئی ہے   جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے
وہ غازی نہ جس کے قدم ڈگمگائے   وہ ہمّت جو طوفان میں مسکرائے
وہ بجلی جو انگریز کا گھر جلائے   وہ پنجہ جو ظالم کی گردن دبائے
وہ صدّیق اکبرؓ کا مُہرِ صداقت   وہ فاروق اعظمؓ کا عکس جلالت
وہ عثماں غنیؓ کا نشان سخاوت   وہ حیدرؓ کے بازو کا نقش شجاعت
وہ ہستی جو ملّت کے کام آگئی ہے   جگاؤ نہ حضرت کو نیند آ گئی ہے
ولایت کی دُنیا طریقت کی دُنیا   وہ خالدؓ کے ذوقِ شہادت کی دُنیا
وہ دُنیا جو دُنیا سے ٹکرا گئی ہے   جگاؤ نہ حضرت کو نیند آ گئی ہے
وہ اب چلتی پھرتی محبّت کی دُنیا   سراسر وہ حُسنِ واُخوّت کی دُنیا

وہ دُنیا جو دُنیا سے ٹکرا گئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

وہ امداد رح کا جانشیں سو رہا ہے
وہ قاسم رح کا علم و یقیں سو رہا ہے

رشیدی رح مکان مکیں سو رہا ہے
وہ جانباز زیرِ زمیں سو رہا ہے

نہ چھیڑ اے صبا ان کو نیند آگئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

غزالی رح کا آئینہ دار اللہ اللہ
وہ رازی رح کے دل کی پکار اللہ اللہ

وہ صابر رح کا صبر و قرار اللہ اللہ
وہ محمود رح کی یادگار اللہ اللہ

جسے منزلِ غم بھی راس آگئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

ہر ایک طالب علم فن کو بھی چھوڑا
رہا جس سے پیار اس وطن کو بھی چھوڑا

تصوّف کے رنگیں چمن کو بھی چھوڑا
تڑپتا ہُوا انجمن کو بھی چھوڑا

اَجل جانے کیا ان کو سمجھا گئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

ابھی عمرِ صد سالہ پاکر تو سوتے
کچھ اور اپنے جلوے دکھا کر تو سوتے

یہ غفلت کے پردے اُٹھا کر تو سوتے
جو سوئے ہیں اُن کو جگا کر تو سوتے

یہ کیوں آج بے وقت نیند آگئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

کرم گستر و غمگسار اس کی ہستی
مجسّم پیار ہی پیار اس کی ہستی

دوائے دلِ بے قرار اس کی ہستی
ہر اک کے لیے خاکسار اس کی ہستی

اسے خدمت خلق ہی بھا گئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

نہ چھیڑو کہ حضرت ہوئے حق سے واصل
نہ تڑپو انہیں مل گئی ان کی منزل

نہ روؤ کہ وہ پا گئے اپنا حاصل
نہیں کوئی غم ان کی راہوں میں حائل

سحر مجھ کو ارشد یہ بتلا گئی ہے
جگاؤ نہ حضرت کو نیند آگئی ہے

(قسط: ۴، آخری)

جنّت میں لے جانے والے کام

حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

۱۵۔ یہ کام بھی جنّت واجب کرنے والا ہے کہ آدمی کسی گم کردہ راہ کی راہنمائی کرے۔ یعنی اگر کوئی مُسلمان راستہ بھول جائے تو اس کو صحیح راستہ بتانا بھی ایک بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور اس پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور آدمی جنّت کا مستحق بن جاتا ہے۔ صحیح راستہ بتانے سے بھٹکے ہوئے انسان کی پریشانی دُور ہوکر راحت و سکون نصیب ملتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مُسلمان کی بے چینی اور پریشانی دُور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں قیامت کی پریشانیوں میں سے اس کی کوئی پریشانی دُور فرما دیں گے۔ (مسلم ج: ۴، ص: ۱۹۹۶)

اس کام سے اس شخص کا باطن مطمئن اور رُوح پُرسکون ہوجائے گی۔ وہ یہ سمجھے گا کہ میرا دُنیا میں ایک ایسا بھائی بھی موجود ہے جو مصیبت و پریشانی میں اس کے کام آسکتا ہے۔ آپ راستہ دکھا کر اس کے ساتھ جو حسنِ سلوک کریں گے اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ عطا فرمائیں گے کہ آپ کو جنّت میں داخل فرما کر اپنی ابدی نعمتوں سے نوازیں گے۔

اس سلسلہ میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ اور اگر وہاں بیٹھنا ہی ہو تو پھر راستہ کا حق ادا کرو۔ آپ سے پُوچھا گیا کہ راستہ کا حق کیا ہے۔ آپ نے فرمایا نگاہ کا جُھکانا اور پست رکھنا اور سلام کا جواب دینا۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ راستہ بتلانا۔ (کشف الاستار ج: ۲، ص: ۴۲۵، مجمع الزوائد ج: ۸ ص ۶۲)

۱۶۔ اس سلسلہ میں ایک اور عمل ایسا ہے جو انسان کے جنّت میں داخلہ کا ضامن ہے اور وہ ہے مسجد کی صفائی اور مسجد سے کوڑا کباڑ نکال دینا۔ اس سلسلہ میں سیّدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک کالی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ایک روز رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے مسجد میں موجود نہ پایا۔ آپؐ نے اس کے بارہ میں صحابہ کرامؓ سے پُوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے اس کے بارہ میں اطلاع کیوں نہ دی؟ پھر سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی قبر پر آئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

(ابن ماجہ ج: ۱ ص: ۴۸۹ باب ماجاء فی الصلاة علی القبر)

اس سلسلہ میں ایک اور روایت سیدنا ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے مسجد سے کوڑا کباڑ نکالا اللہ تعالیٰ جنّت میں اس کے لیے ایک گھر بنائیں گے۔ (ابن ماجہ جلد: ۱ ص: ۲۵۰)

۱۷۔ ایک خصلت جو انسان کے لیے جنّت میں داخلہ کا باعث بنتی ہے وہ دو آدمیوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا ہے۔ یعنی دو آدمیوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھے تو اُن کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرے اور اُن کے اس جھگڑا کو ختم کرا دے۔ قرآن حکیم میں اسے اصلاح بین الناس کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (النساء: ۱۱۴)

پھر سورۂ حجرات آیت ۹ و ۱۰ میں تو صاف طور پر اس کا حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں ملاپ کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے تو سب اس چڑھائی والے سے یہاں تک لڑو کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پھر آئے۔ پھر اگر وہ پھر آیا تو اُن میں برابر ملاپ کرا دو اور انصاف کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ مُسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ (الحجرات ۹-۱۰)

۱۸۔ وہ خصائل جو انسان کو جنّت میں لے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک خصلت یہ ہے کہ آدمی خرید و فروخت میں سہولت اور نرمی برتے۔ فروخت میں سہولت یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدنے والے سے ترش روئی سے بات نہ کرے اور مال کے دام بہت

زیادہ نہ بڑھائے اور معقول نفع پر قناعت کرے۔ اور بات سچی کرے اور مال کی حقیقت سے اس کو آشکارا کر دے اور خریدار کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھائے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بخاری جلد ۱ ص ۲۷۸)

خریدنے میں سہولت یہ ہے کہ فروخت کرنے والے پر قیمت کم کرنے پر بہت زیادہ زور نہ دے اور اس کو اس بات پر مجبور نہ کرے کہ وہ قسم کھائے کہ مال کی اتنی اتنی قیمت ہے اور جس مال کو وہ خریدنا چاہتا ہے اس کو دیکھ لے اور اس کے بارہ میں اطمینان حاصل کرلے۔ بعض خریداروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ فروخت کرنے والے کو تنگ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں اور وہ فروخت کرنے پر غلط الزامات لگاتے ہیں کہ تمہارے تو دام بہت زیادہ ہیں اور فلاں دکان پر تو یہ مال لتنے میں ملتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ بعض دفعہ تو خریدار کا مقصد تو خریدنا نہیں بلکہ فروخت کنندہ کو تنگ کرنا ہوتا ہے۔

۱۹۔ ایک خصلت یہ ہے کہ قرضہ دینے اور وصول کرنے میں نرمی برتی جائے۔ قرضہ ادا کرنے کی عمدگی یہ ہے کہ قرض کو وقتِ مقررہ پر واپس کر دینا چاہیے اور قرضہ واپس کرنے پر قادر ہو تو تاخیر کرنا حرام ہے، چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مال دار آدمی کا قرض واپس کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (کشف الاستار جلد: ۲، ص ۱۰۱: باب مطل الغنی ظلم مجمع الزوائد ج: ۴ ص ۱۳۱) اور ظلم قیامت میں تاریکی کا ذریعہ ہوگا۔

اور جب قرض دار وقتِ مقررہ پر قرضہ واپس لوٹائے تو قرض دار کو قرض خواہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اور اس کے لیے دُعا کرنا چاہیے اس لیے کہ اس نے اس کی حاجت پوری کی ہے۔ قرض واپس طلب کرنے میں نرمی یہ ہے کہ قرض خواہ اپنا قرضہ نرمی و پیار سے واپس مانگے۔ سختی اور درشتی اختیار نہ کرے اور قرض دار کو لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کرے۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قرض دار استطاعت ہونے کے باوجود ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو پھر قرض خواہ کو سختی کا حق ہے اس لیے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صاحبِ حق کو کہنے کا حق ہوتا ہے۔ (مسلم ج: ۳، ص: ۱۲۳۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ صاحبِ حیثیت کا ٹال مٹول کرنا اس کی آبرو کو حلال کر دیتا ہے اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے

پر رحم فرمائے جو بیچے تو نرمی کے ساتھ اور خریدے تو نرمی کے ساتھ اور قرض وصول کرے تو نرمی کے ساتھ۔ (ابن ماجہ ، ج:۲، ص : ۳۴۲ ، بخاری ، ج:۱، ص: ۲۷۸)

سیدنا عثمان بن عفان رضؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو جنّت میں داخل فرما دیا جو خریدتے، بیچتے ، قرضہ وصول کرتے اور قرضہ ادا کرتے وقت نرمی اختیار کرتا تھا۔ (مسند احمد ج:۱، ص: ۵۸)

اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص قرضہ ادا کرتے وقت اور قرضہ وصول کرتے وقت اپنی نرم مزاجی کی وجہ سے جنّت میں داخل ہوا۔ (مسند احمد جلد:۲، ص: ۲۱۰)

لیکن اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو اس وقت تک مہلت دینا جس میں وہ ادا کرنے پر قادر ہو۔ ضروری ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة (البقرہ: ۲۸۰)

اور اگر تنگ دست ہے تو مہلت دینی چاہیے سہولت ہونے تک

سیدنا حذیفہ رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم سے پہلے کی اُمّت میں ایک شخص کے پاس رُوح قبض کرنے والا فرشتہ آیا اور اُس سے کہا گیا کہ کیا تم نے کوئی اچھا کام کیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے اس سے یہ کہا گیا کہ خوب غور و فکر کرلو۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے کچھ یاد نہیں ہے، البتہ میری عادت یہ تھی کہ میں دُنیا میں لوگوں کے ساتھ لین دین کیا کرتا تھا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرتا تھا۔ مال دار کو مہلت دے دیا کرتا تھا اور تنگ دست کو معاف کر دیا کرتا تھا۔ اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے اسے جنّت میں داخل فرما دیا۔

(فتح الباری، ج:۶، ص: ۴۹۴)

اسی طرح ایک اور حدیث سیدنا حذیفہ رضؓ ہی سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور وہ جنّت میں داخل ہوگیا۔ اس سے پُوچھا گیا کہ تم کیا عمل کرتے تھے جس کی وجہ سے تم جنّت میں داخل

ہوئے۔ اس نے کہا: مَیں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرتا تھا اور تنگ دست کو مہلت دے دیا کرتا تھا اور مَیں رقم کے بارہ میں درگزر سے کام لیا کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (مسلم، ج: ۳، ص: ۱۱۹۵)

۲۰۔ ایک خصلت آدمی کو جنّت میں لے جانے والی یہ ہے کہ وہ مُسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ اس سلسلہ میں سیّدنا ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کوئی مومن اپنے مومن بھائی کے کسی عیب پر مطلع ہو اور پھر اس کی پردہ پوشی کرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنّت میں داخل فرما دیتے ہیں۔

(طبرانی معجم اوسط و صغیر)

اسی سلسلہ میں سیّدنا عبداللہ بن عمرؓ کی وہ حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کعبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: تم کتنے بہترین ہو اور تمہاری خوشبو کتنی پیاری ہے اور تم کتنی عظمت والے ہو اور تمہاری حرمت کتنی زبردست ہے لیکن ایک مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سے بھی زیادہ محترم ہے۔

(ترمذی، ج: ۴، ص: ۳۷۸، ابو داؤد، ج: ۲، ص: ۵۶۸)

اور سیّدنا معاویہؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ فرماتے سُنا ہے کہ تم اگر لوگوں کے عیوب کے درپے ہوگے تو ان کو خراب کر دو گے یا قریب ہے کہ خراب کر دو۔ سیّدنا ابو الدرداءؓ نے فرمایا: یہ ایک ایسی بات ہے جو سیّدنا معاویہؓ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں نفع پہنچایا ہے۔ (ابو داؤد، ج: ۲، ص: ۵۷۰)

سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ یہ فلاں شخص ہے جس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے اُنھوں نے فرمایا کہ ہمیں تجسّس سے منع کیا گیا ہے۔ البتّہ اگر ہمارے سامنے کوئی شے ظاہر ہوگئی تو ہم اس پر مواخذہ کریں گے۔ (ابو داؤد، ج: ۲، ص: ۵۷۰)

سیّدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے

(بقیہ برصـ ۴۴)

ماہِ صفر

❁❁*❁*

(فضائل و مسائل)

محمد عدنان زکریا

ماہِ صفر کی وجہ تسمیہ

"صفر" عربی زبان کا لفظ ہے جس میں "ص" اور "ف" دونوں پر زبر ہے۔ اس کے معنی وہی ہیں جو عام طور پر مشہور و معروف ہیں یعنی اسلامی مہینوں میں سے دوسرا مہینہ۔ (صحاح)

ماہ صفر کو "صفر" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ صفر کے معنی لغت میں "خالی" ہونے کے آتے ہیں چونکہ اس مہینہ میں عموماً عربوں کے گھر خالی رہتے تھے اس وجہ سے کہ وہ لڑائی بھڑائی اور سفر میں چل دیتے تھے اس لیے اس ماہ کا نام "صفر" رکھ دیا گیا (تفسیر ابن کثیر عربی ج: ۲، ص: ۳۵۴)

ماہِ صفر کی فضیلت

ماہِ صفر کے متعلق کسی خاص فضیلت کا ثبوت قرآن و سنّت سے نہیں ملتا، البتہ کتبِ تاریخ سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ ۱۲ صفر ۲ھ (۱۴ اگست ۶۲۳ء) بروز جمعرات کو فرضیت جہاد کا حکم نازل ہوا تھا۔ (تقویم تاریخی، ص: ۱، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

ماہِ صفر احادیث مبارکہ کی روشنی میں

○ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا ھَامَّۃَ وَلَا صَفَرَ" (بخاری، ج: ۲، ص: ۸۵۷)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلّی علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: "مرض کا لگ جانا، اُلّو اور صَفَر اور نحوست یہ سب بے حقیقت باتیں ہیں"۔

○ عَنْ جَابِرٍ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ "لَاعَدْوٰی وَلَا صَفَرَ وَلَاغَوْلَ"۔ (مسلم ج: ۲، ص: ۲۳۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مَیں نے خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ——— فرما رہے تھے: "مرض کا لگ جانا، صفر اور غول بیابانی سب (بے بُنیاد) خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں"۔

○ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "لَاعَدْوٰی وَلَا ھَامَّۃَ وَلَا نَوْءَ وَلَاصَفَرَ"۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۳۱)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "مرض کا لگ جانا، اُلّو، ستارہ اور صفر یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان میں کوئی حقیقت نہیں"۔

مندرجہ بالا احادیث مُبارکہ میں رحمت کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صفر کے متعلق جتنے باطل نظریات (بے بُنیاد) خیالات اور توہمات زمانہ جاہلیت میں عربوں کے اندر پائے جاتے تھے ان سب کی صاف صاف نفی فرمادی اور کسی بھی قسم کے توہمات کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔

جہاں زمانہ جاہلیت کے توہمات کی ان ارشادات سے تردید ہوگئی وہیں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان ارشادات مُبارکہ سے بعد کے زمانہ میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام غلط خیالات و تصوّرات کی نفی بھی ہوگئی کیونکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ ارشادات قیامت تک کے لیے ہیں۔ اور ثابت ہوگیا کہ ماہ صفر میں ہرگز کوئی نحوست نہیں ہے اور آفادات و بلیات و امراض بھی اس مہینہ میں نازل نہیں ہوتے

مسلمانوں پر لازم ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات اور ارشادات کو مضبوطی سے

تھا میں اور قدیم وجدید جملہ توہمات سے اجتناب کریں۔

ماہِ صفر کے متعلّق عوام النّاس کے خیالات

شیطان مسلمانوں کا ازلی دُشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں قسم کھا کر آیا ہے کہ مَیں ضرور مُسلمانوں کو گمراہ کر کے رہوں گا اس کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مُسلمانوں کو ایسے افعال و اعمال میں مُبتلا کر دے جن کا دین و شریعت سے دُور کا بھی واسطہ اور تعلّق نہ ہو اور مُسلمان ان کو دین سمجھ کر کرتے رہیں اور انھیں توبہ کی بھی توفیق نہ ہو، اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھیں اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے۔

ع خدا ہی ملا نہ وصال صنم

چنانچہ شیطان اور اس کے متبعین نے مُسلمانوں میں بہت سی ایسی بے سروپا باتیں مشہور کر رکھی ہیں جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

- "اور بعض جگہ صفر کی تیرہویں تاریخ کو کچھ گھونگھنیاں وغیرہ پکا کر تقسیم کرتے ہیں کہ اس کی نحوست سے حفاظت رہے۔ یہ اعتقاد شرع کے خلاف اور گناہ ہیں۔
- بعض صفر کو تیرہ تیزی کہتے ہیں اور اس کو نامُبارک جانتے ہیں۔
- بعض مقامات پر صفر کے آخری چہار شنبہ کو تہوار مناتے ہیں اور عیدی بھی دیتے ہیں جس کا یہ مضمون ہے۔

آخری چہار شنبہ آیا ہے
غسل صحت نبیؐ نے پایا ہے

اور مکتبوں میں چھٹی بھی ہوتی ہے۔ سو یہ ایجاد فی الدین ہے
ایک نوّاب زادہ نے اپنے معلم سے جو محقق تھے اس تاریخ میں عیدی مانگی۔
انھوں نے عیدی کے پیرایہ میں اس رسم کی خُوب نفی کی ہے۔

آخری چہار شنبہ ماہِ صفر
ہست چوں چہار شنبہ ہائے دگر

نہ حدیثی شدہ در آں وارد!
نہ درو عید کرد پیغمبر!

(ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ دوسرے چہار شنبوں ہی کی طرح ہے نہ تو اس (کی فضیلت) کے متعلق کوئی حدیث آئی ہے نہ اس دن نبی علیہ السّلام نے عید منائی ہے۔)

(زوال السنۃ عن اعمال السنۃ ص: ۸)

"تیرہ تیزی" اور"آخری چہار شنبہ" (سیر بدھ) کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی صفر کے متعلق دورِ حاضر کے لوگوں کے خیالات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"آج کل بھی ماہ صفر کے متعلق عام لوگوں کے ذہن میں مختلف خیالات جمے ہوتے ہیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں۔

- بعض لوگ ماہ صفر میں شادی بیاہ اور دیگر پُر مسرّت تقریبات منعقد کرنے اور اہم اُمور کا افتتاح اور ابتدا کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ صفر میں کی ہوئی شادی صِفر ہو گی (یعنی ناکام ہوگی) اور اس کی وجہ عموماً ذہنوں میں یہ ہوتی ہے کہ صفر کا مہینہ نامبارک اور منحوس مہینہ ہے۔ چنانچہ صفر کا مہینہ گزرنے کا انتظار کرتے ہیں اور پھر ربیع الاوّل کے مہینہ سے اپنی تقریبات شروع کردیتے ہیں۔ اس وہم پرستی کا دین سے کوئی واسطہ نہیں، یہ محض باطل ہے۔

- بعض لوگ اس دن گھروں میں اگر مٹی کے برتن ہوں تو ان کو توڑ دیتے ہیں۔ اور اسی دن بعض لوگ چاندی کے چھلے اور تعویذات بنوا کر ماہ صفر کی نحوست مصیبتوں اور بیماریوں سے بچنے کی غرض سے پہنا کرتے ہیں۔ یہ خالص وہم پرستی ہے، جس کو ترک کرنا واجب ہے۔

چونکہ زمانہ جاہلیت میں ماہ صفر کے متعلق بکثرت مصیبتیں اور بلائیں نازل ہونے کا اعتقاد تھا، اسی بنیاد پر مذہبی لوگوں نے بھی اس ماہ کو مصیبتوں اور آفتوں سے بھرپور قرار دیا ہے حتّٰی کہ لاکھوں کے حساب سے آفات و بلیات

کے نازل ہونے کی تعداد بھی نقل کر دی ہے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جلیل القدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو بھی اسی ماہ میں مبتلائے مصیبت ہونا قرار دیا ہے اور پھر خود ہی اُنھوں نے نماز کے خاص خاص طریقے بتلائے جن پر عمل کرنے سے عمل کرنے والا تمام مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے یہ سب من گھڑت اور اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کی قرآن و سُنّت سے کوئی سند نہیں ہے۔ کیونکہ جب بُنیادی طور پر ماہِ صفر میں مصیبتوں اور آفتوں کا نازل ہونا ہی باطل ہے اور جاہلیت اُولیٰ کا ایجاد کردہ نظریہ ہے اور حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو بالکل بے اصل اور بے بنیاد قرار دیا ہے تو اس پر جو بُنیاد رکھی جائے گی وہ بھی باطل اور غلط ہی ہوگی۔" (صفر اور توہم پرستی ص: ۵ طبع صدیقی ٹرسٹ، کراچی)

ماہِ صفر سے متعلّق ایک روایت کی وضاحت

من گھڑت اور ایجاد کردہ باتوں کی کوئی بُنیاد تو ہوتی نہیں لیکن جب جاہلوں سے یا اُن کے گمراہ کن راہنماؤں سے ان کے باطل نظریات کی دلیل مانگی جاتی ہے تو وہ من گھڑت روایتیں اور غلط دلیلیں پیش کیا کرتے ہیں، چنانچہ صفر کے منحوس ہونے کے متعلق بھی ایک روایت پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّۃِ" (الموضاعات الکبرٰی، ص: ۲۲۴ طبع قدیمی کُتب خانہ کراچی)

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ماہ صفر گزرنے کی بشارت دے گا مَیں اس کو جنّت کی بشارت دوں گا۔"

اس روایت سے یہ لوگ ماہ صفر کے منحوس اور نامراد ہونے پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صفر میں نحوست تھی تبھی تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بات ارشاد فرمائی اور صفر کے بسلامت گزرنے کی خبر دینے پر جنّت کی بشارت دی تو اس کے متعلّق واضح ہو کہ:

اوّل تو مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے جلیل القدر محدّث ہیں اپنی مشہور و معروف

کتاب " الموضوعات الکبرٰی" میں (جس میں موصوفؒ نے موضوعات الکبرٰی" میں (جس میں موصوف نے موضوع یعنی بے اصل اور من گھڑت حدیثیں جمع کی ہیں) مذکورہ بالا حدیث ذکر کر کے فرمایا ہے کہ " لا اصل لہٗ" کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ لہٰذا مذکورہ روایت سے استدلال کرنا سراسر جہالت اور گمراہی کی بات ہے۔

- دوسرے اگر اس روایت کے الفاظ پر غور کریں تو ان الفاظ میں کہیں بھی صفر کے منحوس ہونے پر کوئی اشارہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان الفاظ سے ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا محض اختراع اور اپنا خیال ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔
- تھوڑی دیر کے لیے اس روایت کے من گھڑت ہونے سے قطع نظر کر کے اگر اس کے الفاظ پر غور کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ماہ ربیع الاوّل میں ہونے والی تھی اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم موت کے بعد اللہ جل شانہٗ کی ملاقات کے مشتاق تھے جس کی وجہ سے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ماہ صفر کے گزرنے اور ربیع الاوّل کے شروع ہونے کا انتظار تھا اور ایسی خبر لانے پر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بشارت کو مرتّب فرمایا۔ چنانچہ تصوف کی بعض کتابوں میں اسی مقصد سے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے لیکن ماہ صفر کی نحوست اس سے قطعًا ثابت نہیں ہوتی۔

ماہ صفر اور تیرہ تیزی

آج کل مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کی کمی کی وجہ سے بعض ایسے خیالات پیدا ہو گئے ہیں جن کا دین و شریعت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں خواتین نے تو اس مہینہ کا نام ہی "تیرہ تیزی" رکھ دیا ہے اور بعض جگہ اس مہینہ کی تیرہ تاریخ کو چنے اُبال کر تقسیم کرتے ہیں تاکہ بلائیں ٹل جائیں۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ نے ایسے تمام غلط عقیدوں کی اصلاح فرمائی ہے چنانچہ حدیث مُبارک میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

> عدوٰی (چھوت چھات) اور ہام (الو) اور صفر کا مہینہ (جس کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرہ تیزی کے مہینے میں کوئی کام اچھا نہیں) اس کی کوئی حقیقت

نہیں، بغیر حکم خداوندی کے کچھ نہیں ہوتا۔" (مؤطا امام مالک ص: ۷۲۱)

آخری چہار شنبہ
رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن

آخری چہار شنبہ ماہ صفر کا آخری بدھ جو عوام میں سیر بدھ کے نام سے مشہور ہے، کے متعلق عوام میں یہ مشہور ہے کہ اس دن رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے غسل صحت فرمایا تھا اور سیر و تفریح فرمائی تھی اس لیے اس دن کو ناواقف اور سادہ لوح مسلمان مرد اور عورتیں خوشی کا سمجھ کر باغات میں سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ شیرینی تقسیم کرتے اور عمدہ قسم کے کھانے پکانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

مسلمان بھائیو! مسلمانوں کے تینوں بڑے فرقے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اس پر متفق ہیں کہ آخری چہار شنبہ (آخری بدھ) کے روز رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض وفات کا آغاز ہوا تھا اور اسی مرض میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وفات پائی تھی۔

مشہور مؤرخ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"چہار شنبہ ۲۸ صفر کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض کا آغاز ہوا۔"

(طبقات ابن سعد، ص ۲۰۶، طبع بیروت)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپؐ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع (قبرستان مدینہ منوّرہ) کے لیے استغفار کروں وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعتہً مزاج ناساز ہوگیا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہوگئی، یہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن اور بدھ (چہار شنبہ) کا روز تھا۔" (سیرت المصطفیٰ، ج: ۳، ص: ۱۵۷)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"۲۸ صفر ۱۱ھ چہار شنبہ (بدھ) کی رات میں آپؐ نے قبرستان بقیع غرقد میں تشریف لے جاکر اہل قبور کے لیے دعا مغفرت کی۔ وہاں سے تشریف لاتے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار

ہوگیا اور یہ بُخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہوگئی۔" (سیرت خاتم الانبیاء ص : ۱۴۱)

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوٰی :

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو شدت مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی۔ وہ اب جاہل ہندیوں میں رائج ہوگئی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (فتاوٰی رشیدیہ، ص : ۱۵ مطبوعہ کراچی)

بریلوی مکتبۂ فکر کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کا فتوٰی :

"آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحّت یابی حضور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات ہوئی اس کی ابتدار اسی دن سے بتائی جاتی ہے" (احکام شریعت، ص : ۱۸۳، ج : ۲)

بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک دوسرے عالم دین مولانا امجد علی تحریر فرماتے ہیں :

"ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں، اور نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس روز غسل صحّت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مرض شدّت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی ہوئی ہیں۔ سب خلاف واقع ہیں" (بہار شریعت، ص : ۲۴۲، ج : ۱۶)

قطع نظر ان تمام باتوں کے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کل تیرہ دن بیمار رہے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سوموار کو وصال فرمایا ہے اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض وفات کے آغاز کا دن بدھ ہی بنتا ہے اسی طرح کہ بدھ سے دوسری بدھ تک ۸ یوم اور جمعرات سے سوموار تک ۵ یوم

(باقی صلا پر)

محمد حسین مدرس مدرسہ شمسیہ فخر المدارس احمد پور سیال

لباس اور ازدواجی رشتہ

قرآن کریم نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا اس سے ظاہر ہے کہ لباس اور رشتہ زوجیت میں کوئی مناسبت ضرور ہے۔ غور کرنے سے کئی پہلو سامنے آتے جو ہدیۂ قارئین ہیں۔

۱۔ اس تشبیہ میں مرد عورت کے رشتے کی نوعیّت اور غایت قرب و اتصال کو عجیب پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ جس طرح لباس انسان کے لیے عزّت و وقار کا سبب ہے۔ اسی طرح مرد و عورت معاشرے میں ایک دوسرے کے لیے عزّت اور وقار کا باعث ہیں۔

۳۔ جس طرح انسان کے لیے لباس سردی وغیرہ سے بچنے کا ذریعہ ہے اسی طرح ازدواجی تعلّق قائم کرنے سے بھی انسان بہت سی اخلاقی بُرائیوں سے بچ جاتا ہے۔

۴۔ جس طرح لباس عموماً بدن کے ساتھ ہی ہوتا ہے سوائے مواقع ضرورت کے جدا نہیں ہوتا اسی طرح مناسب ہے کہ عورت اور مرد کی زندگی اکٹھی گزرے ضروری اور دینی سفر مستثنٰی ہو سکتے ہیں، لیکن محض دولت کمانے کے لیئے سالہا سال مرد مستقل طور پر غیر ملک رہے اور عورت بیچاری تنہائی کی زندگی گزارے یہ بات مناسب نہیں۔

۵۔ جس طرح انسان بغیر لباس کے کسی کے سامنے جانے سے شرم کرتا ہے اور اپنے آپ کو ایک جگہ تک محدود کر دیتا ہے۔ اسی طرح غیر شادی شدہ آدمی اپنے آپ کو ادھورا محسوس کرتا ہے شادی کے بعد ہی صحیح طور پر معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔

۶۔ آدمی کا لباس اس کے قد و قامت کے مطابق تیّار کیا جاتا ہے۔ تب ہی موزوں نظر آتا ہے اسی طرح مرد و عورت بھی شرعی حدود میں رہ کر ایک دوسرے کے جذبات کی رعایت کریں گے

تو زندگی خوشگوار گزرے گی اس لیے کفو کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔

۷۔ جس طرح مخصوص طرز کا لباس دیکھ کر آدمی کی خاص ہیئت آنکھوں کے سامنے آتی ہے اسی طرح خاص مرد و زن کے ساتھ رشتۂ زوجیت معلوم کرنے کے بعد بھی آدمی کا ایک خاص معیار ذہن میں قائم ہو جاتا ہے۔

۸۔ جس طرح ناگزیر حالات کے علاوہ کپڑے اُتارنا ایک عیب اور بُرائی ہے بلکہ ضرورت کے موقعہ پر بھی ننگے ہونے کو طبعًا ناپسند ہی سمجھا جاتا ہے۔ گرچہ عقلاً صحیح ہے۔ اسی طرح طلاق جو کہ لباس اُتارنے کے مترادف ہے اس کو بھی حلال چیزوں میں مبغوض اور ناپسند فرمایا گیا ہے۔

۹۔ جس طرح آدمی لباس کا انتخاب اپنی پسند اور حیثیّت کے مطابق کرتا ہے۔ اسی طرح رشتۂ زوجیت بھی آدمی اپنی پسند اور حیثیّت کے مطابق تلاش کرتا ہے۔ اس اعتبار سے امہات المومنین رضؓ کی شان کیسے نمایاں ہوتی ہے۔ محتاج بیان نہیں۔

۱۰۔ اگر کوئی آدمی کسی پر کیچڑ اُچھالے تو وہ دوسرے آدمی کے لباس پر پڑتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی کسی کے اہلِ خانہ پر الزام تراشی کرتا ہے تو وہ اس آدمی کی عزّت پر حملہ تصوّر کیا جاتا ہے کاش نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ازواج مطہرات امہات المومنینؓ کی شان میں گستاخی کرنے والے اس نسبت اور حیثیّت کا لحاظ کر لیتے اور اپنی عاقبت برباد کرنے سے بچ جاتے۔ تلك عشرة كاملة الخطأ منّي والصواب من الله ان کے علاوہ نا معلوم اور کتنے معارف و مسائل اس تمثیل میں مستور ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

بقیہ: جنّت میں لے جانیوالے کام

بڑا گناہ کسی مُسلمان کی آبرو پر بلا استحقاق ہاتھ ڈالنا ہے اور کبائر میں سے ایک گالی کے بدلے دو گالیاں دینا بھی ہے۔" (ابوداؤد، ج: ۲، ص: ۶۷۵)

اور سیّدنا سعید بن زید رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سب سے بڑا سود یہ ہے کہ بلا حق کسی مُسلمان کی عزّت پر ہاتھ ڈالا جائے۔ (ابوداؤد ج: ۲، ص ۶۷۵)

یہ وہ کچھ کام ہیں جو ایک انسان کو جنّت میں لے جاتے ہیں۔ افسوس کہ ہم نے ان کی اہمیّت کو نظر انداز کر دیا اور دُنیا کے دوسرے کاموں کو غیر معمولی اہمیّت دینی شروع کر دی۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی یہ شان بیان فرمائی ہے کہ" صحابۂ کرام ایسے لوگ ہیں جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔"

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی جو شان بیان فرمائی ہے وہ سو فیصد صحیح ہے کیونکہ جب ہم تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جن کے ہاں آل و اولاد کی کثرت اور مال و دولت کی انتہائی وسعت تھی، لیکن اس کے باوجود وہ یادِ الٰہی میں مگن تھے اور یہ چیزیں اُن کے راستے میں ذرا بھی رکاوٹ نہیں بنتی تھیں تاریخ کے حوالے سے چند صحابۂ کرام کے واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) خلیفہ سوم حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے مال دار ترین لوگوں میں سے تھے، آپ کی دولت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ (۱) آپ نے مسجد نبوی کی توسیع کے لیے اس کے قریب قطعۂ زمین ۲۵ ہزار درہم میں خرید کر مسجد نبوی میں شامل فرمایا[۱] (۲) ۳۵ ہزار درہم میں میٹھے پانی کا کنواں "بیرِ رُومہ" خرید کر وقفِ عام فرمایا (۳) غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے تقریباً ایک تہائی فوج کا ساز و سامان فراہم کیا، آپ کے وصال

---

[۱] البدایہ و النہایہ ج ۳ ص ۱۷۷

کے وقت آپ کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس اشرفیاں اور دس لاکھ درہم تھے اور جایدادِ خیبر، وادیٔ قریٰ وغیرہ کی تھی جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی۔

لیکن اس سب کے باوجود آپ کی عبادت کا حال یہ تھا کہ بعض اوقات شب میں اور ایک رکعت میں پورے قرآن کی تلاوت کر جاتے تھے[1]

——— نماز بے حد خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے اس میں اس درجہ محویت تھی کہ گرد و پیش کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی، چنانچہ عین اس موقع پر جبکہ محاصرہ کے دنوں میں باغیوں نے قصرِ خلافت کے دروازوں کو آگ لگا دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور انھوں نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی تھی، باہر شور وغل ہو رہا تھا لیکن آپ سب سے بے خبر کمال طمانیت ویکسوئی کے ساتھ نماز میں مشغول رہے پھر اسی عالمِ دار وگیر میں نماز ختم کی تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔"[2]

(۲) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، "حَوَارِیِٔ رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا لقب ہے۔ صحابۂ کرام میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں ۳۶ھ میں ۶۴ برس کی عمر میں جنگِ جمل کے موقع پر شہید ہوئے ہیں۔ جس وقت آپ شہید ہوئے نو بیٹے نو بیٹیاں اور چار بیویاں تھیں، بعض پوتے بعض بیٹیوں سے بھی بڑے تھے، آپ کے ایک ہزار غلام تھے جو روزانہ اُجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے، آپ کے تَمَوُّل کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ درہم یا دینار کیا گیا تھا جو جایدادِ غیر منقولہ کی شکل میں تھا، چار بیویوں

---

[1] طبقات ابن سعد ج: ۳، ص: ۵۳

[2] طبری ج: ۴، ص: ۳۸۹

میں سے ہر بیوی کو بارہ بارہ لاکھ درہم یا دینار کے حساب سے رقم ملی ، لیکن اُس کے باوجود دِل میں ذوقِ عبادت اور خوف وخشیت کوٹ کوٹ کر بھرا ہُوا تھا۔ حتّٰی کہ آپ کی شہادت بھی نماز کے دوران سجدہ کی حالت میں واقع ہُوئی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ، ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں سب سے پہلے پیدا ہونے والے خوش نصیب آپ ہی ہیں۔ آپ کی پیدائش سے مہاجرین کو غیر معمولی مسرت اور خوشی ہُوئی تھی ، سن ۷۲ ہجری میں حجاج بن یُوسف کی فوج سے مقابلہ کرتے ہُوئے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا ، آپ نے اپنے ترکہ میں پچاس ہزار دینار ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار غلام چھوڑے تھے ـــــ لیکن آپ کی عبادت کا یہ حال تھا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یُوں لگتا تھا جیسے کوئی کیل گاڑ دی گئی ہو۔ سجدہ اتنا لمبا ہوتا کہ چڑیاں کمر پر آکر بیٹھ جاتیں اور حرکت کا ذکر نہیں جس زمانے میں آپ پر چڑھائی ہو رہی تھی اور گولہ باری زوروں پر تھی آپ نماز پڑھ رہے تھے ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا جس سے اس کا ایک حصّہ گرا آپ کی داڑھی کے پاس سے گزرا مگر آپ کو اس کا پتہ نہ چلا۔

(۴) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ، آپ قدیم الاسلام اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مختلف اوقات میں متعدّد شادیاں کیں ۔ تاریخ میں آپ کی تیرہ ۱۳ بیویوں اکیس ۲۱ لڑکوں اور سات ۷ لڑکیوں کے نام ملتے ہیں آپ تجارت کیا کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ نے آپ کے کاروبار میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی ، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اُٹھاتا ہوں تو اس کے نیچے سونا نکل آتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کا تجارتی قافلہ مدینہ طیّبہ آیا تو اس میں سات ۷ سو اُونٹ پر صرف گیہوں آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی بار تھیں ، اس عظیم الشان قافلہ کا تمام مدینہ طیبہ میں غُل پڑ گیا۔ [1]

---

[1] اسد الغابہ

آپ کی دولت کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے، البتّہ چونکہ آپ مالدار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد فیاض بھی تھے اور بڑی فیاضی کے ساتھ روپیہ پیسہ خرچتے تھے اس لیے آپ کی داد و دہش کے واقعات سے آپ کی دولت کا معمولی سا اندازہ ہوسکتا ہے۔

(۱) جس وقت سورۂ براءت نازل ہوئی اور صحابۂ کرام کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی تو آپ نے اپنا نصف مال یعنی چار ہزار (درہم یا دینار) پیش کیے پھر دو دفعہ چالیس چالیس ہزار دینار وقف کیے اسی طرح جہاد کے لیے پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اُونٹ حاضر کیے۔[۱]

(۲) عام خیرات و صدقات کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں تیس تیس غلام آزاد کر دیتے تھے، ایک دفعہ آپ نے اپنی ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کی اور سب مال راہِ خُدا میں لٹا دیا۔[۲]

(۳) وفات کے وقت پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے راہِ خدا میں وقف کیے۔ نیز غزوۂ بدر میں جو صحابہ کرام شریک ہوئے تھے اور اِس وقت تک حیات تھے اُن میں سے ہر ایک کے لیے چار چار سو دینار کی وصیت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس وقت ایک سو بدری صحابہ بقید حیات تھے اور سب نے نہایت خوشی کے ساتھ اس وصیت سے فائدہ اُٹھایا، یہاں تک کہ حضرت عثمان غنی رضؓ نے بھی حصّہ لیا۔[۳]

(۴) اُمہات المؤمنین کے لیے ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا

---

[۱] اسد الغابہ ج ۳، ص

[۲] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزء ثانی

[۳] اسد الغابہ

اس قدر فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ کے باوجود آپ اپنے وارثوں کے لیے نہایت وافر دولت چھوڑ گئے۔ یہاں تک کہ چاروں بیویوں نے جائیدادِ متروکہ کے صرف آٹھویں حصّہ سے اسّی ۸۰، اسّی ہزار دینار پائے، سونے کی اینٹیں اتنی بڑی بڑی تھیں کہ کلہاڑی سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کی گئیں اور کاٹنے والوں کے ہاتھ میں آبلے پڑ گئے، جائیداد غیر منقولہ اور نقدی کے علاوہ ایک ہزار اُونٹ اور سو گھوڑے اور تین ہزار بکریاں چھوڑیں۔[1]

لیکن اس قدر کثیر مال و دولت ہونے کے باوجود عبادت کا یہ حال تھا کہ نماز نہایت خشوع کے ساتھ پڑھتے تھے۔ خصوصاً ظہر کے وقت فرض سے پہلے دیر تک نوافل میں مشغول رہتے تھے۔[2] اکثر روزے رکھتے تھے، بارہا حج کے لیے تشریف لے گئے۔

عُمدہ اور فینسی جِلد سازی کا عظیم مرکز
NBB
نفِیس بُک بائنڈرز
ہمارے یہاں ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے
نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی بکس والی جلد بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے
مُناسب نرخ پر معیاری جِلد سازی کے لئے رجوع فرمائیں
۱۶۔ ٹیپ روڈ نزد گھوڑا ہسپتال لاہور
فون 7322408

[1] اسد الغابہ ج: ۳، ص: ۳۱۷ [2] اصابہ ج: ۴، ص: ۱۷۷

(قسط : ۱)

دین کے چند ضروری قواعد و ضوابط

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُ الواحد زید مجدہم
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ذیل میں چند موٹے موٹے اور اہم فقہی قواعد درج کیے جاتے ہیں جن کو مجتہدین نے قرآن و حدیث سے حاصل کیا اور ان ہی کی روشنی میں پھر وہ ایسے بہت سے مسائل میں اجتہاد کر کے اُن کا حل تلاش کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں جزئی طور پر نہیں ہے

قاعدہ نمبر ۱

لا ثواب الا بالنیۃ : نیت کے بغیر ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

اس قاعدے کی دلیل یہ مشہور حدیث ہے انما الاعمال بالنیات (اعمال تو محض نیتوں سے ہوتے ہیں) اس کا اگر یہ مطلب لیں کہ نیت کے بغیر عمل واقع نہیں ہوگا تو یہ بات خود واقع کے خلاف ہے کیونکہ بہت سے اعمال کسی نیت کے ہُوئے بغیر بھی واقع ہوتے ہیں۔ لہٰذا عبارت میں مضاف کو فرض ماننا ہوگا اور عبارت دراصل یُوں بنے گی انما حکم الاعمال بالنیات (اعمال کے حکم کا دارو مدار نیت پر ہے اور چونکہ حکم کے اخروی ہونے پر اجماع ہے جو کہ ثواب ہے لہٰذا حاصل یہ ہُوا انما ثواب الاعمال بالنیات (اعمال کا ثواب محض نیتوں سے ہوتا ہے) کسی بُرے کام کو محض نہ کرنے سے ثواب نہیں ملتا مثلاً نماز کے دوران آدمی بہت سے گناہوں مثلاً زنا، غیبت، چوری وغیرہ سے رکا ہُوا ہوتا ہے اس پر ثواب نہیں ملتا۔ البتہ جب کسی گناہ کا داعیہ موجود ہو اور اس کو کرنے پر قدرت بھی ہو پھر اس گناہ کے کام سے اپنے نفس کو روکے تو اس پر ثواب ملتا ہے کیونکہ نفس کو روکنا بھی ایک عمل ہے۔

قاعدہ نمبر ۲

الامور بمقاصدھا : معاملات کا دار و مدار قصد و نیت پر ہے۔

اس قاعدے کی دلیل ایک تو یہی حدیث ہے انما الاعمال بالنیات (اعمال کے حکم کا دار و مدار نیتوں پر ہے)

اور یہ آیت بھی ہے وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (اور مت تعاون کرو گناہ اور سرکشی کے کاموں پر)

اس قاعدے سے حاصل ہونے والے چند مسائل۔

۱۔ کسی ذمی کے ہاتھ انگور کا رس فروخت کیا جو اس سے شراب بناتا ہے۔ اگر فروخت کرنے میں محض تجارت کی غرض ہو تو یہ فروخت جائز ہے۔ (کیونکہ ذمی کے لیے شراب کی کشید اور اس کے استعمال کی شرعاً اجازت ہے) اور اگر فروخت کرتے ہوئے مسلمان فروخت کنندہ کی یہ نیت ہو کہ ذمی اس کی شراب ہی بنائے تو اس نیت کے ساتھ فروخت کرنا حرام ہوگا۔

۲۔ ایک مسلمان دوسرے سے محض اتفاق سے بڑی مدت تک نہیں ملتا تو کچھ حرج نہیں، لیکن قطع تعلقی کی نیت سے مسلمان کو تین دن سے زیادہ تک چھوڑے رکھنا ناجائز ہے۔

۳۔ نماز میں الحمد للہ کہا۔ محض ذکر کے طور پہ کہا ہو تو کچھ حرج نہیں۔ اور اگر کسی کے خوشخبری سنانے پر کہا ہو تو اب یہ باہمی بات چیت کی صورت بن گئی اور اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

قاعدہ نمبر ۳

الیقین لا یزول بالشك : شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔

اس قاعدے کی دلیل یہ حدیث ہے صحیح مسلم کی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا وجد احدکم فی بطنہ شیئا فاشکل علیہ اخرج منہ شئ ام لا فلا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتا او یجد ریحا (جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں حرکت سی پاتے اور شبہہ پڑ جائے کہ ہوا خارج ہوئی ہے

یا نہیں تو یہاں تک کہ (اس کو ہَوا نکلنے کا یقین نہ ہو جائے جس کی صُورت یہ بھی ہے کہ) وہ ہَوا نکلنے کی آواز سُنے یا اُس کی بُو محسوس کرے مسجد سے نہ نکلے۔

مسئلہ: مُسلمانوں نے ایک قلعہ فتح کیا۔ اہلِ قلعہ میں ایک ذمی کا ہونا یقینی ہے لیکن اس کی کسی کو شناخت نہیں ہے تو قلعہ والوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے (کیونکہ مُسلمانوں کے لیے ذمی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے)۔

مسئلہ: ایک شخص کو وضو کرنا تو یاد ہے لیکن اس کے بعد وضو ٹوٹنے کے بارے میں شک ہے تو اس کو باوضو سمجھا جائے گا اور جس کو وضو ٹوٹنا تو اچھی طرح یاد ہے لیکن اس کے بعد وضو کیا یا نہیں کیا اس میں شک ہے تو اس کو بے وضو سمجھا جائے گا۔

مسئلہ: کسی کو شک ہے کہ مَیں نے ظہر کی نماز پڑھی ہے یا نہیں پڑھی تو اس بات کو اختیار کیا جائے گا۔ کہ اس نے نہیں پڑھی۔

مسئلہ: ایک عمل کرنے کے بارے میں یقین ہے لیکن شک ہے کہ مقدار کتنی تھی تو تھوڑی مقدار پر محمول کیا جائے گا کیونکہ وہ تو یقینی ہے اور زائد میں شک ہے جبکہ زائد میں اصل عدم ہے۔ مثلاً طواف کرتے ہُوئے شک ہوا کہ نہ جانے یہ چھٹا چکر ہے یا ساتواں چکر ہے تو اس کو چھٹا سمجھے۔

قاعدہ نمبر ۴

المشقة تجلب التسير: مشقت آسانی کو لاتی ہے۔

اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) آیت يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (سورۂ بقرہ) اللہ ارادہ کرتے ہیں تمہارے ساتھ آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتے تمہارے ساتھ تنگی کا۔

(۲) آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (سورۂ حج) اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ تنگی۔

(۳) حدیث ہے احب الدین الی اللّٰہ تعالی الحنفیة السمحة (اللہ تعالیٰ کو دین کے وہ کام زیادہ پسند ہیں جن میں اخلاص ہو اور سہولت ہو)۔

شریعت کی تمام تر رخصتیں اور تخفیفات اسی قاعدے کے تحت آتی ہیں۔

عبادات وغیرہ میں تخفیف کے اسباب سات ہیں: سفر، مرض، اکراہ (زبردستی) نسیان، لاعلمی، ابتلائے عام اور سختی۔

مسئلہ: سوئی کی نوک کے برابر پیشاب کی چھینٹیں معاف ہیں۔

مسئلہ: راستے کی کیچڑ کپڑوں کو لگ جائے تو معاف ہے جب کہ نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو۔

مجتہد کا مشقت اور حرج کا اعتبار کر کے کسی تخفیف کا حکم لگانا صرف اسی صُورت میں ممکن ہے جب اس بارے میں نص موجود نہ ہو اور اگر نص موجود ہو تو صحیح نہیں۔ حدیث میں حرم مکہ کی گھاس کاٹنے اور اس پر چرانے سے منع کیا گیا اور صرف اذخر گھاس کو اس ممانعت سے مستثنٰی کیا گیا۔ اب کسی مجتہد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اذخر کے علاوہ حرم مکّہ کی اور گھاس میں مشقت و حرج کا اعتبار کر کے کاٹنے کی اجازت دے دے۔

قاعدہ نمبر ۵

الضرر یزال: ضرر و نقصان کو دُور کیا جائے گا۔

اس قاعدے کی دلیل نبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث ہے لاضرر ولاضرار (موطا امام مالک) مطلب یہ ہے کہ نہ تو ابتداء بلا وجہ نقصان پہنچانا ہے اور نہ جزا میں واجب تاوان کے علاوہ کوئی اور نقصان پہنچانا ہے۔

مسئلہ: توت کے درخت کی شاخیں فروخت کیں۔ خریدار جب شاخوں کو کاٹنے کے لیے درخت پر چڑھتا ہے تو پڑوسیوں کے گھروں میں اس کی نظر پڑتی ہے اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ چڑھنے سے پہلے اطلاع کر دے تاکہ پڑوس والے پردے میں ہو جائیں اگر وہ اس پر عمل کرے تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کو شکایت کی جائے جو اس کو درخت پر چڑھنے سے روک دے گا۔

قاعدہ نمبر ۶

الضرورات تبیح المحظورات: جان لیوا مجبوریوں کے وقت ممنوعہ اشیاء کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔

اس قاعدے کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَـئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ (سورۃ نحل)

جو کوئی منکر ہو اللہ سے اپنے ایمان کے بعد مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی ہو بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر غضب ہوگا اللہ کا۔

(۲) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَلَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (سورۃ نحل:)

تم پر صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور جس چیز کو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر جو شخص کہ بالکل لاچار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو اللہ بخش دینے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

یہاں ضرورت اور اس سے نیچے کے پانچ درجے ہیں:

ضرورت

کی تعریف یہ ہے کہ اگر ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو یہ شخص ہلاک ہو جائے گا یا موت کے قریب پہنچ جائے گا۔ یہی صورت اضطرار کی ہے اسی حالت میں حرام و ممنوع چیز کا استعمال چند شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا ہے۔

حاجت

کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ ممنوع چیز کو استعمال نہ کرے تو ہلاک تو نہیں ہوگا مگر مشقت اور تکلیف

شدید ہوگی۔ یہ صورت اضطرار کی نہیں اس لیے اس کے واسطے روزے، نماز، طہارت وغیرہ کے بہت سے احکام میں رعایت اور سہولتیں تو دی گئی ہیں، مگر ایسی حالت میں حرام چیزیں نص قرآن کے تحت حلال نہیں ہوں گی

منفعت

یہ ہے کہ کسی چیز کے استعمال کرنے سے اس کے بدن کو فائدہ پہنچے گا لیکن نہ کرنے سے کوئی سخت تکلیف یا ہلاکت کا خطرہ نہیں جیسے عمدہ قسم کے کھانے اور مقوی غذائیں۔ اس کے لیے نہ کوئی حرام حلال ہوتا ہے نہ روزہ کا افطار جائز ہوتا ہے۔ مباح اور جائز طریقوں سے یہ چیزیں حاصل ہوسکیں تو استعمال کرے اور نہ حاصل ہوسکیں تو صبر کرے۔

زینت

جس سے بدن کو کوئی خاص تقویت بھی نہیں محض تفریح خواہش ہے۔ اس کام کے لیے کسی ناجائز چیز کا جائز ہونا ظاہر ہے کہ ممکن نہیں۔

فضول

وہ ہے جو زینت مباح کے دائرہ سے بھی آگے محض ہوس ہو۔ اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اسکے لیے احکام میں کوئی رعایت ہونے کے بجائے اس فضول کی مخالفت احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

مسئلہ: اس قاعدے کے تحت ایک شخص کے جسم میں کسی دوسرے انسان کا خون داخل کرنا آتا ہے یہی بات اور حرام ادویہ میں ہے۔

مسئلہ: کھانا کھاتے ہوئے ایک شخص کے گلے میں لقمہ اڑ گیا اور سانس بند ہوگیا۔ سوائے شراب کے کوئی پینے کی حلال چیز نہیں ہے۔ اگر لقمہ نیچے نہیں اترتا تو جان جانے کا خطرہ ہے تو شراب کے گھونٹ سے لقمہ نیچے اُتارنا جائز ہے۔

مسئلہ: جو شخص قرض واپس نہیں کرتا تو قرض خواہ اگر اپنے قرض کی جنس سے قرض دار کے

مال پر قدرت پالے تو وہ اس کو قرض دار کی رضامندی کے بغیر لے سکتا ہے اور ضبط کر سکتا ہے۔

جو چیز ضرورت کی بناء پر جائز ہوئی ہو وہ بقدر ضرورت ہی جائز ہوتی ہے

مسئلہ: طبیب بقدر حاجت ستر کی جگہ دیکھ سکتا ہے۔

مسئلہ: جب تعریض سے کام چل سکتا ہو تو مجبوری میں بھی جھوٹی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔
تعریض اس کو کہتے ہیں کہ کہنے والا تو اپنے اعتبار سے سچ کہے جبکہ سُننے والا اُس کو جھوٹ سمجھے مثلاً زید کہے کہ خالد میرا بھائی ہے اور اس کی مُراد دینی اخوّت اور بھائی چارہ ہو لیکن سُننے والا نسبتی رشتہ سمجھے اور یہ جانتے ہُوئے کہ خالد تو کسی اور شخص کا بیٹا ہے۔ زید کے باپ کا بیٹا نہیں ہے یہ خیال کرے کہ زید جھوٹ کہہ رہا ہے۔

قاعدہ نمبر ۷

یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر العام : ضرر عام کو دفع کرنے کی خاطر ضرر خاص (یعنی خاص شخص کے ضرر) کو برداشت کیا جائے گا۔

مسئلہ: اگر اناج فروخت کرنے والے ملی بھگت کر کے اناج کے نرخ ناجائز طور پر بڑھا دیں تو حکومت اناج کا مناسب نرخ مقرر کر سکتی ہے تاکہ ضرر عام کو دفع کیا جا سکے۔

مسئلہ: اگر اناج کے بیوپاری اس کی ذخیرہ اندوزی کر لیں اور لوگوں کی حاجت کے باوجود گرانی بڑھانے کی خاطر اس کو بازار میں نہ لائیں تو حکومت جبرًا اس کو نکلوا کر فروخت کروا سکتی ہے۔

مسئلہ: عطائی (یعنی جاہل طبیب) پر لوگوں کا علاج معالجہ کرنے پر پابندی لگائی جائے گی۔

مسئلہ: لوگوں کے سڑکوں کے کنارے سودا لے کر بیٹھ جانے سے راہ گیروں اور سواریوں کے لیے گزرگاہ تنگ ہونے کی بناء پر تکلیف ہوتی ہے اور رکاوٹ ہوتی ہے تو سودے والوں کو وہاں بیٹھنے سے روک دیا جائے گا۔

حاصل مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

مندرجہ بالا آیت کریمہ کا ترجمہ ہے۔ "ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا تذکرہ[1] ہے کیا تم نہیں سمجھتے ہو" اس آیت کے ذیل میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے حضرت احنف بن قیسؒ کا ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے جو سبق آموز ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز بھی ہے جی چاہا قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے حضرت لکھتے ہیں۔

"مشہور محدّث اور امام احمد بن حنبلؒ کے شاگردِ رشید شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمّد بن نصر مروزی بغدادی (۲۰۲ ـــ ۲۹۴ھ) نے اپنی کتاب قیام اللیل[2] میں ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس آیت کے فہم میں مدد ملتی ہے اور سلف کے فہم قرآن اور تدبّر قرآن پر روشنی پڑتی ہے۔

---

[1] ذکر کی دو تفسیریں ہیں ایک "شرف" جیسے کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے، دوسری حدیث (تذکرہ) جیسا کہ مجاہدؒ سے مروی ہے (تفسیر ابن کثیر)

[2] یہ کتاب قیام اللیل و قیام رمضان و کتاب الوتر کے نام سے مصر و ملتان سے شائع ہوئی ہے، اصلاً ان کی یہ تین تصنیفات کا مجموعہ ہے جس کا خلاصہ علامہ احمد بن علی (م ۸۴۵) نے کیا۔

جلیل القدر تابعی اور عرب سردار احنف بن قیس[1] ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے یہ آیت پڑھی۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ الانبیاء ۔ع ۔۱)	ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا تذکرہ ہے، کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔

وہ چونک پڑے اور کہا کہ ذرا قرآن مجید تولانا اس میں میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور کن سے مجھے مشابہت ہے؟ انھوں نے قرآن مجید کھولا، کچھ لوگوں کے پاس سے اُن کا گزر ہوا، جن کی یہ تعریف کی گئی تھی۔

کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذّٰریٰت ۔ع ۔۱)	رات کے تھوڑے حصے میں سوتے تھے، اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔

کچھ اور لوگ نظر آئے جن کا حال یہ تھا۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ (السجدۃ ۔ع ۔۲)	ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں۔ (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور اُمید سے پکارتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

کچھ اور لوگ نظر آتے جن کا حال یہ تھا۔

یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۝	اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز وادب سے) کھڑے رہ کر راتیں

---

[1] ولادت (۳ قبل ہجرت وفات ۷۲ھ) قبیلہ بنوتمیم کے سردار حلم و بردباری میں ضرب المثل تھے، ایران کے عظیم فاتحین میں اُن کا شمار ہے۔ حضرت علی سے اختصاص خاص تھا۔

(الفرقان-ع-۶) بسر کرتے ہیں۔

اور کچھ لوگ نظر آئے جن کا تذکرہ اِن الفاظ میں ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (آل عمران-ع-۱۴)

جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اور کچھ لوگ ملے جن کی حالت یہ تھی۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۛ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر-ع-۱)

(اور) دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ اُن کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مُراد پانے والے ہوتے ہیں۔

اور کچھ لوگوں کی زیارت ہوئی جن کے اخلاق یہ تھے

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝ (الشوریٰ-ع-۴)

اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غُصّہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

○

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ص وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (الشوریٰ-ع-۴)

اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورہ سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

وہ یہاں پہنچ کر ٹھٹک کر رہ گئے اور کہا کہ اے اللہ میں اپنے حال سے واقف ہوں، مَیں تو ان لوگوں میں نظر نہیں آتا!

پھر انہوں نے ایک دوسرا راستہ لیا اب ان کو کچھ لوگ نظر آئے، جن کا حال یہ تھا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۭ (سورہ صافات۔ع-۲)	ان کا حال یہ تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے ــــــ اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں؟

پھر اُن لوگوں کا سامنا ہوا جن کی حالت یہ تھی۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (الزمر۔ع-۵)	اور جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے چہرے کھل اُٹھتے ہیں۔

کچھ اور لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن سے جب پوچھا گیا:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۙ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۙ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۙ حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۭ (المدّثر۔ع-۲)	کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم جھوٹ سچ باتیں بنانے والوں کے ساتھ باتیں بنایا کرتے اور روزِ جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا۔

یہاں بھی پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے دم بخود کھڑے رہے پھر کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا، اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بَری ہوں۔

اب وہ قرآن مجید کے ورقوں کو اُلٹ رہے تھے اور اپنا تذکرہ تلاش کر رہے تھے، یہاں تک کہ اس آیت پر جا کر ٹھہرے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ۔ع۔۱۳)	اور کچھ اور لوگ ہیں جن کو اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار ہے، اُنھوں نے اچھے اور بُرے عملوں کو مِلا جلا دیا تھا قریب ہے کہ خدا اُن پر مہربانی سے توجّہ فرمائے، بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس موقع پر اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا، ہاں ہاں! یہ بے شک میرا حال ہے۔" [1]

بقیہ: ماہِ صَفر

۸ + ۵ = ۱۳۔ لہٰذا مرض وفات کا آغاز بدھ ہی سے ہُوا۔

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ماہ صفر کا آخری بدھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض کا آغاز کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ آخری چہار شنبہ یہودیوں اور ایرانی مجوسیوں کی رسم ہے جو ایران سے منتقل ہو کر ہندوستان میں آئی ہے اور یہاں کے بے دین بادشاہوں نے اسے پروان چڑھایا۔

(دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی۔ ص: ۱۸ - ج: ۱)

لہٰذا یہ یہود و ہنود کی خوشی کا دن تو ہو سکتا ہے مسلمانوں کا نہیں۔ مسلمانوں کا اسے بطورِ خوشی منانا ناجائز و حرام ہے۔

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس یہودیانہ رسم کو اپنا کہ کہیں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مرض وفات کا جشن تو نہیں منا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

---

[1] مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی ص: ۳۶ تا ۴۱

اخبار و احوال جامعہ (جدید)

محمد آباد رائے ونڈ روڈ

مارچ ۲۰۰۰ء

○ ۹ مارچ بعد نماز ظہر ڈی آئی خان سے جناب حاجی عبد الصمد صاحب تشریف لائے اور مہتمم جامعہ جدید حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب (مدظلہ العالی) سے ملاقات ہوئی۔

○ ۱۰ مارچ بعد نماز جمعہ جناب فیاض صاحب کراچی سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم (جامعہ جدید) سے جامعہ جدید کی تعمیر و ترقی کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی

○ ۱۲ مارچ کو حضرت مہتمم صاحب کے ہمراہ جناب شارق صاحب، جناب سید فرید احمد صاحب، جناب ذیشان صاحب جناب عبدالناصر صاحب، جناب تنویر صاحب جامعہ جدید محمد آباد رائے ونڈ روڈ تشریف لے گئے جہاں ان حضرات نے جامعہ جدید کے تعمیری کام کو ملاحظہ کیا اور اُس کو خوب سراہا۔

○ ۱۴ مارچ حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب نے تقریب تقسیم اسناد فہم دین کورس میں شرکت فرمائی۔ الحمد للہ جامعہ کی سرپرستی میں عوام النّاس تک بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ حضرات تک بالخصوص دینی تعلیم کی رسائی کے لیے فہم دین کے نام سے ایک کورس کا چند سال قبل اجرا کیا گیا تھا یہ کورس درج ذیل مضامین پر مشتمل ہے (۱) اسلامی مسائل (۲) اسلامی عقائد (۳) اصول دین۔ بفضل خدا یہ کورس کامیابی سے جاری ہے اور لاہور میں مختلف مقامات پر یہ کورس مکمل ہوا اور تا حال متعدد مقامات پر جاری ہے چنانچہ غنی مسجد غنی روڈ سنت نگر لاہور اور دی ہیم اکیڈمی قلعہ لچھمن سنگھ لاہور میں یہ کورس مکمل ہوا۔ کورس میں باقاعدگی سے شرکت کرنے والے حضرات کے درمیان تقسیم اسناد کے سلسلہ میں ایک تقریب جامع مسجد خلفاء راشدین (قلعہ لچھمن سنگھ لاہور) میں منعقد ہوئی جس میں حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کا خصوصی بیان ہوا۔ اور حضرت مہتمم مولانا سید محمود میاں صاحب نے فارغین میں اسناد تقسیم فرمائیں اور تقریب کے اختتام پر دُعاء بھی فرمائی۔

○ ۲۸ مارچ جناب خورشید عبّاس صاحب گردیزی ملتان سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم (جامعہ جدید)

سے جامعہ جدید کی تعمیر و ترقّی کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہُوئی۔ جناب نے رات جامعہ میں قیام فرما کر صبح واپسی فرمائی۔

○ ۳۰ مارچ جامعہ کے قدیم معاون جناب بھائی آفتاب صاحب بعد نماز عشاء کراچی سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب سے جامعہ جدید کی تعمیر و ترقّی کے بارے میں تفصیلی بات چیت ہُوئی۔

اپریل ۲۰۰۰ء

○ ۳ اپریل۔ بعد نماز عصر جناب پروفیسر ڈاکٹر مولانا عبدالدیان صاحب پشاور سے تشریف لائے اور حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب سے باہمی دلچسپی کے اُمور پر تبادلۂ خیالات ہُوا جناب نے اگلے دن بعد فجر واپسی فرمائی۔

○ ۴ اپریل۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قاسم (مدظلہ العالی) مہتمم مدرسہ خالد بن ولیدؓ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبید اللہ خان صاحب اسسٹنٹ پروفیسر فیکلیٹی شریعت و قانون اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ جامعہ تشریف لائے اور حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب سے خصوصی ملاقات میں مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیالات ہُوا۔ اور دوپہر کا کھانا تناول فرما کر بعد نماز جمعہ ان حضرات کی واپسی ہُوئی۔

○ ۱۶ اپریل۔ بعد نماز مغرب جناب بھائی سلیم صاحب کراچی سے تشریف لائے اور حضرت مہتمم (جامعہ جدید) کے ہمراہ جامعہ مدنیہ جدید محمد آباد رائے ونڈ روڈ تشریف لے گئے جہاں جامعہ کے تعمیراتی کام کو دیکھ کر انتہائی مسرور ہُوئے۔

○ ۱۸ اپریل۔ بعد نماز عشاء۔ جامعہ کے قدیم فاضل مولانا رحمت اللہ صاحب زاہدان ایران سے تشریف لائے۔

ضروری گزارش

بانی جامعہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانہ پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (لاہور رائے ونڈ روڈ نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلب سڑک "جامعہ" اور خانقاہ کے لیے تقریباً چوبیس ایکڑ رقبہ ۱۹۸۰ء میں خرید کیا تھا۔ جامعہ کی ترقی اور وہاں "مسجد حامد" کی تعمیر کا باقاعدہ کام ان شاء اللہ عنقریب شروع کیا جا رہا ہے "مسجد حامد" تقریباً آٹھ کنال پر محیط ہوگی۔ اس کارِ خیر میں وابستگانِ حضرت اقدس معاونین جامعہ اور عامۃ المسلمین سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی اپیل ہے

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) محمد آباد و اراکین اور خدّامِ جامعہ

○

ڈاک، عطیات، چیک بھیجنے کے پتے

(۱) سیّد محمود میاں "بیت الحمد" نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور پاکستان

○

(۲) سیّد محمود میاں جامعہ مدنیہ (جدید) محمد آباد موضع پاجیاں رائے ونڈ روڈ لاہور پاکستان

○

اکاؤنٹ نمبر 7915-3 ایم سی بی کریم پارک برانچ لاہور

ڈالر اکاؤنٹ نمبر 19 ایم سی بی ٹمبر مارکیٹ برانچ لاہور

فون 092-42-200577
092-42-7726702

MASJID-E-HAMID